گُلرنگِ تخیُّل

۶۰ ھ ۱۳

رؤف امروہوی

مصنّف گلرنگِ تخیل کی
تیسری تصنیف
۱۳-۵-۷۴
کوثرِ رحمت
جسمیں

نعت سیّد الکونین رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم، مدح صحابہ کرامؓ رضی اللہ عنہم، مناقب اہل بیتِ عظامؓ و اولیائے عالی مقامؒ کی دنیائے دل کو روشن اور منوّر کرنے والی روح پرور غزلیں اور پُرکیف خمسے شامل ہیں۔

شیدایانِ رسولؐ اِس مُقدّس مجموعہ کو حاصل کر کے عشقِ رسولؐ اور اپنے ذوقِ ایمانی کو تازہ کریں۔

سائز ۳۰×۲۰ ضخامت ۱۶۰ صفحات۔ قیمت ۳-۵۰
۱۶

اِن پتوں سے حاصل کیجئے
- احمد حسین سیفی۔ محلہ سدّو، امروہہ
- خورشید بک ڈپو۔ بازار گذری، امروہہ
- نیشنل بک ڈپو۔ بازار گذری، امروہہ
- منشی صدرالحسن تاجر کتب بازار گھیر مناف، امروہہ

گلرنگِ تخیل

۶۰ — ھ — ۱۳

مجموعۂ کلامِ ثانی

جناب ماسٹر حافظ محمد عبد الرؤف صاحب رؤف امروہوی

ناشر

محمد حسین خلفِ مصنفِ ممدوح

محلہ سدو امروہہ

مطبوعہ نعمانی پریس دہلی

سنہ ۱۹۷۷ء

باردوم ایک ہزار جلد قیمت -/5

فہرستِ غزلیاتِ گلرنگِ تخیل

غزلیات	نمبر صفحہ	غزلیات	نمبر صفحہ
اے خدائے پاک بے ہمتا ہے تو	۵۵	اب تو کچھ چاہیے اس دل کا مداوا کرنا	۷۶
شہِ دیں کا جس گھر میں چرچا نہیں ہے،	۵۸	یہ سر تری چوکھٹ سے جدا ہو نہیں سکتا	۷۷
اللہ کے محبوب کی اُلفت مرا دیں ہے	۶۰	گل پریشاں شمع گریاں سوختہ پروانہ تھا	۷۸
گردشِ زمیں اپنی دورِ آسماں اپنا	۶۳	عالم مری نگاہ میں ہے حُسنِ یار کا	۷۹
آہ میں کیا اثر نہیں آتا	۶۴	اسی شان سے مٹاتے مجھے تھا اگر مٹانا	۸۰
ادا کا ناز کا غمزے کا شوخی کا شرارت کا	۶۵	یہ مانتا ہوں آپ سے آیا نہ جا سکا	۸۱
نہ تھا جب عشق یہ ساماں کہاں تھا	۶۶	ہر شے کو اپنے نور سے معمور کر دیا	۸۲
خوگر ہوں میں تو ہجر کے صدمے اٹھاؤں گا	۶۷	داغِ جگر کو شمعِ شبستاں بنا دیا	۸۳
اگر کوئی نالہ رسا ہو گیا	۶۸	نکلنے کو ہے جانِ ناتواں اب	۸۴
جس طرف جس راہ سے ان کا گذر ہونے لگا	۶۹	اب چُپ ہیں سب مساعیِ لا انتہا کے بعد	۸۵
اس طرف کو کبھی کوئی دور ہو پیمانے کا	۷۰	صحنِ گلشن سے اُٹھا جس وقت سامانِ بہار	۸۶
اگر میرا افسانہ سُن پائیے گا	۷۱	لطف تو جب ہے عشق کا اے غمِ جان نوازِ عشق	۸۷
کیا بتاؤں چارہ گر تجھ کو مجھے کیا ہو گیا	۷۲	اس طرح نقاب اُٹھے رُخ سے یوں پیش کروں نذرانۂ دل	۸۸
صبا کی بات کا کیا بلبل اعتبار کیا	۷۳	تری راہ میں نقشِ پا ہو گئے ہم	۸۹
لگ گیا انبار اب تو کشتگانِ ناز کا	۷۴	آپ کے در سے اگر جائیں گے ہم	۹۰
محرمِ راز نہ تھا واقفِ اسرار نہ تھا	۷۵		

غزلیات	نمبر صفحہ
وعدہ کرکے جو کوئی چال وہ چل جاتے ہیں	۹۱
جادو ہے کونسا نگہ مست یار میں	۹۲
لے کے دل، درد دیئے جاتے ہیں	۹۳
غیر کو شاد کیئے جاتے ہیں	۹۴
کھایا جو داغ اُس مہِ خوبی کی چاہ میں	۹۵
ڈھونڈھے گا بعدِ مرگ مجھے نامہ بر کہاں	۹۶
میں عشق میں ہوں یکتا تم نازِ دلبری میں	۹۷
ہاں بادِ صبا پھر وہی دلدار کی باتیں	۹۸
محوِ حیرت بنا گئیں آنکھیں	۹۹
آپ کی راہِ محبت میں جو مر جاتا ہوں میں	۱۰۰
عاشقوں میں درد کی صورت نظر آتا ہوں میں	۱۰۱
کتابِ عشق میں فہم و خرد کے باب نہیں	۱۰۲
وہ ادا گُل میں نہیں وہ ناز سوسن میں نہیں	۱۰۳
چھُپنے کو چھپیں لیکن آخر چھپ کر بھی رہیں گے کہیں نہ کہیں	۱۰۴
لوگ کیوں سعی عبث کرتے ہیں سمجھانے میں	۱۰۵
وہ نہ کعبہ ہی میں ملتے ہیں نہ بتخانے میں	۱۰۷
کونسا ذرہ ترے نور سے معمور نہیں	۱۰۹

غزلیات	نمبر صفحہ
زندگی اس کی ہے جس کو عشق کا آزار ہو	۱۱۰
کس طرح بھولونگا اے زنداں تری ٹھوکر کو	۱۱۱
کبھی تم نور افزائے نظر ہو	۱۱۲
کیئے دیتا ہے تیرا دردِ فرقت نیم جاں مجھکو	۱۱۳
ہیں ازل کے کشتۂ ناز ہم کوئی شوخ مائلِ ناز ہو	۱۱۴
جو کوئی بات پوچھو اسکے واقف کار سے پوچھو	۱۱۵
اشک آنکھوں میں نہوں لب پر فغاں کوئی نہو	۱۱۶
جو فعل بھی ہو از رہ اخلاص و یقیں ہو	۱۱۷
محبت میں جب مبتلا ہو گئے وہ	۱۱۸
کوئی گردش تری ایسی بھی تو اے آسماں ہوتی	۱۱۹
دل کی حالت کیا بتاؤں چارہ گر کیا ہو گئی	۱۲۰
جو پوچھا کیوں محبت دل میں اے جانِ جہاں رکھدی	۱۲۱
چارۂ عشق کیا کرے کوئی	۱۲۲
تمہیں دل دیکے ساری عمر حیرانی نہیں جاتی	۱۲۳

غزلیات	نمبر صفحہ	غزلیات	نمبر صفحہ
غم، نہیں راہِ عشق میں جائے جو جانِ زار بھی	۱۲۴	نیرنگیٔ جہاں کا ہے منظر لئے ہوئے	۱۴۳
جو عمر اُن کے در پہ بسر ہو گئی	۱۲۵	سچ پوچھئے تو بس، اُنہیں لوگوں کی عید ہے	۱۴۴
کیسی بے دھماں بلا یہ گردشِ تقدیر تھی	۱۲۶	طور پر جلوہ دکھانا اور ہے	۱۴۵
اِدھر یہ دل جسے عادت ہے پیچ کھانے کی	۱۲۷	اے شمع رُو خیال ہمارا نہ کیجئے	۱۴۶
سیدھی ہوئی تو خوبیٔ تقدیر ہو گئی	۱۲۸	کچھ جستجوئے بادہ و صہبا نہ کیجئے	۱۴۷
ہو گئے بدنام در در ٹھوکریں کھانے لگے	۱۲۹	ترے وعدے پہ جیتا ہوں یہ میرا رشتۂ جاں ہے،	۱۴۸
داستانِ غم نہانی ہے	۱۳۰	نہ جنت سے غرض مجھکو نہ مطلب حور و غلماں سے	۱۴۹
پوچھا اس غم کا، کون بانی ہے	۱۳۱	نہ نرگس ہے نہ ریحاں ہے، نہ لالہ ہے، نہ سوسن ہے،	۱۵۰
جو خدنگ ناز دیکھا کہا دل نے مرغِ جاں سے	۱۳۲	ناز سے ٹھوکر لگاتے جائیے	۱۵۱
نہ رقیبوں نے نہ اس در کی جبیں سائی نے	۱۳۳	کیا مصیبت ہو گئی یہ عشق کی منزل مجھے	۱۵۲
تم کو تو خوف ہی نہ تھا یوم حساب سے	۱۳۴	غمزے کے نزاکت کے شوخی کے شرارت کے	۱۵۳
وہ سچے ہیں اور انکا وعدۂ فردا بھی سچا ہے	۱۳۵	جب تک ہمارے پاس وہ جانِ جہاں رہے	۱۵۵
اسیرِ دامِ الفت کا تمہارے حال ہی کیا ہے	۱۳۶	اک بلا جانے سے پہلے دوسری آ جائے ہے	۱۵۶
مقدر کے لکھے کو آج تک کس کس نے ٹالا ہے	۱۳۷	اے دلِ زار کیا کیا تو نے	۱۵۷
جب تک کہ رُوح جسم میں آہنگ ساز ہے	۱۳۸	دل محوِ خیالِ رُخِ جانانہ ہوا ہے	۱۵۸
تم سے اے شہِ خوباں کیا کہوں گلہ کیا ہے	۱۳۹	اسے آنکھوں میں رکھو یا نکالو اپنی محفل سے	۱۵۹
مدِ نظر ہو تم دل خانہ خراب کے	۱۴۰	اک ایسا جام پلا مجھکو جو ناقص کو کامل کر دے	۱۶۱
نہ یہ رنگِ سبزہ نہ گل کی یہ بو ہے	۱۴۱	دل چیز ہی کیا جلوۂ رخسار کے بدلے	۱۶۲
اے آسماں ہے کاوش کیوں مرے آشیاں سے	۱۴۲	بجرمِ غمِ الفت میں یہ حال ہمارا ہے	۱۶۳

غزلیات	نمبر صفحہ	غزلیات	نمبر صفحہ
آنکھوں کا جو تمہاری بیمار ہو گیا ہے	۱۶۴	ناشاد زمانے سے اٹھا تیرا شیدائی	۱۷۹
بنے تیر جفا کے ہم نشانے	۱۶۵	کوئی یہ کہتا ہے کہ ہے کعبہ میں وہ رشکِ قمر	۱۸۰
رکھتا نہیں امیدِ وفا اور کسی سے	۱۶۷	اک بار ایسا ہو، کہ مل جائے کہیں وہ شمع رو	۱۸۱
نہ مہر سے نہ کسی کی عطا سے ملتا ہے	۱۶۸	مدتوں صحرائے وحشت میں پھرا	۱۸۱
یہ آفتاب جو بالائے بام آتا ہے	۱۷۰	میں نے تو اپنی جان تک رخِ پُرنور پر قربان کی	۱۸۳
وہ ہے آزاد بالکل جو اسیرِ دامِ الفت ہے	۱۷۲	اشکِ غم تھمنے نہیں پاتے کہ دل گھبرائے ہے	۱۸۴
آنکھوں سے تو اوجھل ہے رگِ جاں سے قریں ہے	۱۷۴	نہ ہوا نصیب حج ہی نہ زکوٰۃ یاد آئی	۱۸۵
جو اپنی ذات سے واقف کوئی بشر ہو جائے	۱۷۶	ہر طرز انوکھی تیری، ہر شان نرالی	۱۸۷
میں ہی چاہوں تجھے اے روحِ روانِ عالم	۱۷۷	کی نہ ہم نے کوئی نیکی نام کو	۱۸۸
کیا پوچھتے ہو، مجھ سے تھا کیا اک طرف کیا اک طرف	۱۷۸	کر توبہ درِ حق سے یہ سمجھو کل قیامت ہے	۱۸۹

نذرِ حبیب

یا

اِنتساب و شکریہ

میرے حبیب مکرّم و ادیب محترم زُبدۃ الفضلاء و نخبۃ الشعراء اُستادِ وقت مصوّرِ حقیقت شاعرِ اسلام مولانا سید حبیب احمد اُفقؔ کاظمی مرحوم و مغفور (فاضل جامعہ اسلامیہ امروہہ) کی اُس مخلصانہ محبّت و دیرینہ عنایت کی بناء پر جو آپ کو ہمیشہ میرے ساتھ رہی اور میرے نعتیہ مجموعۂ کلام "لخلخۂ محامد" نیز اس مجموعہ کی ترتیب و تزئین اور مقدمہ و تبصرہ نگاری کی جو زحمت آپ نے گوارا فرمائی :-

مَیں

نہایت خلوص اور شکر گذاری کے ساتھ

اس "گلرنگِ تخیل" کو محترم موصوف کے نامِ نامی سے معنون و منسوب کرتا ہوں

احقر

رؤف امروہوی

مصنّف

۷۸۶

عرضِ حال

(از مصنف برائے طبع ثانی)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْن

ناظرین کرام۔

اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ گلرنگ تخیل کو اُس نے حُسنِ قبول عطا فرمایا اور اب دوسری مرتبہ اس کے زیور طبع سے آراستہ ہونیکا وقت آگیا۔ طبع اول کے موقع پر حضرت مولانا میر آفق کاظمی مرحوم نے کافی طویل تبصرہ زیب قرطاس فرمایا تھا مگر "کوثر رحمت" پر عزیزی نثار احمد فاروقی نے جو پیش گفت لکھی اُس میں تحریر کیا کہ رؤف صاحب کی شاعری کا اصلی رنگ و جوہر مَیں اُن کے عشقیہ کلام میں پاتا ہوں اور پسند کرتا ہوں اور زبانی فرمایا تھا کہ آپ کا کلام نعت و منقبت یقیناً بہت بلند پایہ ہے مگر خالص رنگ تغزل میں جو کچھ لکھا ہے وہ بھی ہمارے اعتنا کا مستحق ہے۔

جب گلرنگ تخیل کی سب جلدیں نذر شائقین ہو گئیں اور مجھے اس کی طبع ثانی کی ضرورت کا احساس ہوا تو عزیزی سلمہٗ کو میں نے یاد دہانی کی کہ گلرنگ تخیل جو خالص رنگ تغزل کا حامل ہے اور بقول آپکے آپ کے اعتنا کا مستحق ہے تو اب اس کی طبع ثانی کے موقع پر تنقید یا تبصرہ کی صورت میں کچھ اظہار خیال فرمائیے تو انھوں نے اقرار کر لیا مگر اپنی ادبی مصروفیات کی وجہ سے مدت تک اس کو پورا نہ کر سکے اور ٹالتے رہے۔ جب میں نے اُن سے یہ کہدیا کہ گلرنگ تخیل کی طبع ثانی کا

انحصار آپ کے تبصرہ پر ہے تو انھوں نے برائے گلزنگ تخیل بڑی کاوش سے ایک طویل مضمون اس موضوع پر سپردِ قلم کیا اور تنقید و تبصرہ کا حق ادا کر دیا اور امروہہ کی ادبی تاریخ پر جو پردے پڑے ہوئے تھے بڑی حد تک اٹھا دیئے اور محبِّ وطن کا ایک ثبوت دیا کہ پڑھ کر حیرت ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس خدمت کا شایانِ شان اجر دے اور اپنے قرب کے درجاتِ عالیہ سے سرفراز فرمائے۔

اُن کا یہ مضمون بعنوان ”حضرت رؤف امروہوی“ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیے۔ میں نے اس دوسرے ایڈیشن میں گیارہ نظموں اور تین خمسوں کا اضافہ کیا ہے اور پچھلے ایڈیشن کے کچھ اشعار حذف کر دیئے ہیں اور کچھ میں ترمیم کی ہے۔ ترتیب وہی ہے جو سابق میں تھی۔

میں پہلے کی طرح اب بھی اپنی ہیچ مدانی کا معترف ہوں اور ناظرین سے درخواست کرتا ہوں کہ میری کوتاہیوں کو اپنے دامنِ کرم میں چھپا لیں یا براہِ راست مجھے مطلع فرما دیں میں ہر دو صورت میں اُن کا شکر گزار ہوں گا کیونکہ خطا و نسیان یا بھول چوک کے مرکب ہی کا نام تو انسان ہے۔

محترم مولانا سید حبیب احمد صاحب میر اُفق کاظمی ۱۸؍ اگست ۱۹۷۶ء کو بمقام ملتان راہیِ ملکِ بقا ہوئے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ناظرین کرام ان کے لئے دعائے مغفرت کریں۔

خاکسار

عبدالرؤف رؤف امروہی

حضرت رَءُوف امروہوی

ادبیاتِ اُردو کا سب سے زیادہ قابلِ اعتبار ذخیرہ شاعری میں ہے اور ابتدا ہی سے شعر و سخن کے دو بڑے مرکز رہے ہیں، جنھیں دِلّی اسکول اور لکھنؤ اسکول کہا جاتا ہے۔ امروہہ دلّی اور لکھنؤ کے درمیان واقع ہے اور یہاں بھی ابتدا ہی سے شعر و سخن کا نہ صرف چرچا رہا ہے بلکہ امروہہ کے نامور اساتذۂ ادب کا فیضان دلّی اور لکھنؤ تک پہنچا ہے۔ دِلّی اسکول سے بھی پہلے جب اُردو شاعری اپنی ابتدائی اور اَن گھڑ شکل میں تھی اور اُسے ادبی اعتبار حاصل نہ ہوا تھا، اس سرزمین پر پیدا ہونے والے ایک بزرگ سیّد اسماعیل امروہوی نے دو مثنویاں لکھی تھیں جنھیں شمالی ہند میں دریافت ہونے والی قدیم ترین مثنویاں سمجھا جاتا ہے۔ اِن کی طرف پہلے پہل ڈاکٹر نجیب اشرف ندوی مرحوم نے اشارہ کیا تھا اور بابائے اردو مولوی عبدالحق مرحوم نے اُن کا متن رسالۂ ”اردو“ میں چھاپا تھا۔ اب یہ دونوں مثنویاں کتابی صورت میں ہندوستان اور پاکستان دونوں جگہ چھپ چکی ہیں۔ ان سے قدیم تر کوئی اور نمونہ کسی مثنوی کا اردو میں ابھی تک نہیں ملا ہے۔ یہ ایسا امتیاز ہے جس پر سرزمینِ امروہہ اگر فخر کرے تو ہر طرح زیبا ہے۔ اردو شاعری کا جب شمالی ہند میں باقاعدہ چلن ہوا تو ایہام گو شعراء کی ایک کھیپ سامنے آئی تھی اور یہ اس طبقہ کے شعراء ہیں جنھیں میرؔ

و مرزا کے عہد سے مقدم مانا جاتا ہے۔ اِس میں بھی ہمیں عبدالقادر بیدل کے ایک شاگرد عطا امروہوی کا نام ملتا ہے، جو فارسی میں شعر کہنے کے علاوہ جعفر زٹلی کے رنگ میں بھی بڑی قدرت کے ساتھ کہتے تھے۔ اِس کے علاوہ سیّد سعادت علی امروہوی ہیں جن کے لئے تمام قدیم تذکرہ نگار گواہی دے رہے ہیں کہ اپنے زمانے میں "امتیازِ تمام" رکھتے تھے۔ اُن کا اب تک جتنا کلام دست بُردِ زمانہ سے بچ کر ہم تک پہنچا ہے اُس کی روشنی میں یہ فیصلہ کرنا قطعاً دشوار نہیں رہتا، کہ سعادت بھی آبرو اور مضمون اور یکرنگ وغیرہ شعرائے ایہام گو کی صف میں نمایاں حیثیت کے مالک رہے ہوں گے اُن کا سب سے بڑا کارنامہ تو یہ ہے کہ اُنھوں نے میر تقی میر کی شاعرانہ صلاحیتوں کو صحیح راستے پر لگا دیا اور یہ بات قطعاً مستبعد نہیں ہے کہ اُنھوں نے میر کے ابتدائی ریختہ کلام پر بے ضابطہ یا باضابطہ اصلاح بھی دی ہو۔ بہرحال خود میر نے اپنی سوانح حیات "ذکرِ میر" میں اقرار کیا ہے کہ سعادت نے مجھے ریختہ گوئی کے لئے مکلف کیا تھا۔ اُس وقت میر جیسے بے یار و مددگار دلی میں پھر رہے تھے اور اس طرح کہ:

اپنا ہی ہاتھ سر پہ رہا اپنے یاں سدا ⁂ مشفق کوئی نہیں ہے کوئی مہرباں نہیں

کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ سعادت کی حوصلہ افزائی نے اُنھیں ضائع ہونے سے بچانے میں کتنا اہم رول ادا کیا ہوگا۔

عہدِ میر و مرزا میں بھی امروہہ کی فضا شعر و شاعری کا زرخیز خطّہ بنی رہی۔ چنانچہ میر تقی میر کے شاگرد میر عبدالرسول نثار امروہہ میں آکر بس گئے تھے اور اب اُن کی آخری آرام گاہ بھی یہیں ہے۔ قائم چاندپوری بھی ایک زمانے میں امروہہ کے قاضی رہے اور یہاں اُن کے شاگردوں کی اچھی خاصی

تعداد ہو گئی تھی جن میں سے بعض کے نام قدیم تذکروں سے معلوم ہو جاتے ہیں۔

اُس زمانے میں ادبی افق پر ایک اور تابناک ستارہ طلوع ہوا جسے ادبی دنیا غلام ہمدانی مصحفیؔ کے نام سے جانتی ہے۔ مصحفیؔ کا بچپن امروہہ میں، نوجوانی کے ایام ٹانڈہ (فیض آباد) میں، جوانی دِلّی میں، اور آخری ایّام لکھنؤ میں بسر ہوئے اُن کے شاگردوں کی تعداد ڈھائی سو سے متجاوز ہے اور اردو میں غالبؔ اور داغؔ کے سوا کسی کو اتنے اور ایسے باکمال تلامذہ نصیب نہیں ہوئے جتنے اَور جیسے مصحفیؔ کو ملے تھے۔ اُن کا فیضانِ سخن دلّی اور لکھنؤ دونوں دبستانوں میں عام ہوا، مگر لکھنؤ نے اُن سے زیادہ فیض اٹھایا۔ خواجہ حیدر علی آتشؔ، میر مستحسن خلیقؔ، کرامت علی شہیدیؔ مظفر علی اسیرؔ اور نہ جانے کتنے اساتذۂ فن مصحفیؔ کے شاگردوں کی صف میں بیٹھے ہوئے نظر آتے ہیں۔ میر حسن دہلوی مصنّفِ "سحر البیان"، کوئی معمولی شاعر نہیں تھے وہ میر ضاحک کے بیٹے تھے، جنھوں نے مرزا سوداؔ سے ٹکّر لی تھی، میر حسن کو بھی اپنی زبان پر ناز تھا مگر اُنھوں نے اپنے بیٹے میر ببر علی انیسؔ کے والد میر مستحسن خلیقؔ کو زبانِ اردو کے رموز و نکات سیکھنے کے لئے مصحفیؔ کی خدمت میں بھیجا تھا اور بیٹے کو ہدایت کی تھی کہ اِس فرصت کو غنیمت سمجھو اور اِن سے جو کچھ سیکھ سکو سیکھ لو۔ یہ بھی کوئی معمولی اعزاز نہیں ہے۔ بعد کے زمانے میں مولانا محمد حسین آزاد نے اپنی کتاب "آبِ حیات" میں مصحفیؔ کی زبان پر کچھ اوچھے وار کئے ہیں اور امروہہ کے محاورے کا مذاق اڑانے کی کوشش کی ہے، لیکن میں نے ایک مضمون "مصحفی کی زبان" میں یہ ثابت کیا تھا کہ مولانا آزاد خود ان محاوروں سے باخبر

نہ تھے جو مصحفی نے استعمال کئے ہیں، اور جو دلّی میں خود محمد حسین آزاد کے زمانے میں بھی رائج تھے مگر وہ اُنھیں امروہہ کا محاورہ سمجھ رہے تھے یہاں اس کی طرف سرسری اشارہ کرنے سے مدّعا یہ ظاہر کرنا ہے کہ امروہہ کے اساتذۂ سخن نے لکھنؤ اور دلّی دونوں دبستانوں کے باکمالوں کو محاورہ اور زبان کے رموز و نکات سکھائے ہیں۔ اس کا تاریخی اور لسانیاتی سبب بھی ہے۔ امروہہ دراصل لِسانی اعتبار سے کھڑی بولی کے علاقے کا قلب ہے اُس کی زبان خالص کھڑی بولی ہے، اور یہی "اردو" ہے۔ اس سے زیادہ لکھنے کا یہ محل نہیں۔

مصحفی نے غدر ۵۷ء سے سّترہ سال پہلے وفات پائی ہے، اُس وقت سے موجودہ صدی کے آغاز ہونے تک، بہت سے باکمال شعراء پیدا ہوئے جن میں نظام رامپوری کے شاگرد سید ابوالحسن ساکتؔ امروہوی، سیّد مومن حسین صفیؔ اور سید لائق حسین قویؔ امروہوی، مولوی عبدالقیوم شفقؔ امروہوی، سید محمد جعفر حیاتؔ امروہوی، سید جواد حسین شمیمؔ، سید فضلِ ستّار لااُبالیؔ، سید حبیب احمد اُفقؔ کاظمی اور جنابِ رؤف امروہوی کے نام بغیر ادنیٰ تأمّل کے ذہن میں آتے ہیں۔

اِن حضرات کی صلاحیتیں کسی طرح اپنے پیش رَو بزرگوں سے کم نہیں تھیں، مگر اِن میں سے بیشتر حضرات نے قناعت اور گوشہ نشینی کی زندگی گذاری اور سماجی زندگی کے ایک محدود دائرے میں رہے، اس لیے اساتذۂ متقدّمین کو جو شہرت اور اہمیّت تاریخِ ادب میں حاصل ہوگئی وہ اِن متأخر اساتذہ کو نہیں مل سکی۔

مَیں نے یہاں اردو شعر و ادب کی عہد بعہد تاریخ اور اُس میں

سرزمین امروہہ سے تعلق رکھنے والے شعراء کا خاص طور سے مختصر تذکرہ اس لیئے کیا کہ حضرتِ رؤف امروہوی اِس سلسلے کی ایک کڑی ہیں۔ وہ اِس وقت امروہہ کے سب سے بزرگ شاعر ہیں اور اُن کی ذات ہم سب کے لیئے باعثِ برکات ہے۔ میں نے یہاں "ذات" کا لفظ استعمال کیا ہے تو یہ مناسب ہوگا کہ اُن کے فن پر گفتگو کرنے سے پہلے کچھ اُن کی ذات اور شخصیّت کے بارے میں بھی لکھا جائے۔

آپ حضرتِ رؤف سے ملیں تو اُنھیں سادگی اور خلوص کا مُجسّمہ پائیں گے۔ اُنھیں کسی طرح کا نہ زعم ہے، نہ پندار۔ وہ کبھی دوسروں کی خوبیوں کا اعتراف و اظہار کرنے میں جھجھک محسوس نہیں کرتے اور اپنی خوبیوں کے اعلان و اظہار کے لئے آمادہ نہیں رہتے۔ اُن کا ظاہر و باطن ایک ہے اور یہ غیر معمولی وصف ہے جو کسی انسان میں تلاش کیا جا سکتا ہے کیونکہ کہنے کو یہ جتنی آسان بات ہے اِسے عمل میں برتنا اور نباہنا اُتنا ہی دشوار ہے۔ وہ اپنے عقیدوں میں راسخ ہیں مگر تعصّب و تنگ نظری کا اُن کے ذہن میں شائبہ تک نہیں۔ دوسروں کے عقائد کا بھی وہ احترام کرنا جانتے ہیں اور اُن سے بھی ایسے ہی کشادہ جبیں ہو کر ملتے ہیں۔ اُنھوں نے بعض اصول اپنے لیئے وضع یا اختیار کر لئے ہیں اور اُن پر سختی سے کاربند رہتے ہیں، اِس طرح کہ آپ کو اس کا علم یا احساس تک نہ ہونے دیں گے۔ اُن کے کچھ معمولات ہیں جن میں شاید ہی کبھی تفاوت ہوتا ہو۔ مثلاً وہ قرآن پاک کی تلاوت بلا ناغہ اس طرح کرتے ہیں کہ ہر ماہ میں ایک بار ختم کر لیتے ہیں۔ اکثر قرآن کے معانی میں تفکّر بھی کرتے ہیں حالانکہ اُنھوں نے عربی کی رسمی تعلیم حاصل نہیں کی ہے

مگر مسلسل تلاوت اور تفکّر فی القرآن کی برکت سے وہ قرآنی آیات کے مفہوم کو بے تکلّف سمجھتے ہیں۔ ابتدائے حال میں اُنھیں ایک صاحبِ کرامت بزرگ سے فیض حاصل ہوا اور اُن سے بیعت کا رشتہ بھی قائم ہوا۔ اُن کی نگاہ کے فیضان سے حضرتِ رؤف کے مکان پر محفلِ نعت خوانی کا آغاز ہوا اور یہ غرائبِ روزگار میں سے ہے کہ نعت خوانی کا یہ پُرکیف جلسہ ہر جمعہ کو باون ۵۲ سال سے مسلسل منعقد ہو رہا ہے اور سخت ترین آزمائش کے لمحوں میں بھی اِسے حضرتِ رؤف نے ملتوی نہیں کیا۔ اِس باون سال میں اندازہ ہے کہ دو ہزار چھ سو باون نشستیں اِس کی ہو چکی ہوں گی۔ محفل میں جو کیفیت وجد و سرور کی ہوتی ہے وہ تجربہ کرنے کی بات ہے بیان کرنے کی نہیں۔ یہاں جدید و قدیم شعراء کا نعتیہ کلام پورے احترام و اہتمام سے پڑھا جاتا ہے اور اس باون سال کے عرصہ میں کتنے ہی حضرات اِس محفل میں نعت خوانی کرنے والے اپنے خالق کے حضور میں پہنچ گئے مگر نئے پڑھنے والے از خود اُن کی جگہ پُر کرتے رہتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس باکمال انسان کے ایما سے یہ مقدس جلسہ شروع ہوا تھا اس کا روحانی تصرّف آج تک اس کا انتظام و انصرام کرا رہا ہے۔ محفل میں حضرت رؤف کی اپنی نشست گاہ مخصوص ہے وہ ہمیشہ اُسی گوشہ میں ایک ہی انداز سے بیٹھے ہوئے ملیں گے۔ کوئی شعر پسند آئے گا تو بے ساختہ ایک نعرہ اُن سے سرزد ہوگا اور اُس شعر کو بار بار پڑھوائیں گے یہاں تک کہ وہ کیف ساری محفل کے نصیب میں آجائے۔ اُن کی شاعری بھی دراصل نعت گوئی کے لیئے مخصوص ہوگئی ہے اور نعت کی محفلوں میں اُن کے کلام سے بڑی کیفیت اور رقّت پیدا ہو جاتی ہے۔ ماہ ربیع الاول میں جب اکثر

وبیشتر محفلیں میلاد خوانی کی منعقد ہوتی ہیں یا رمضان المبارک میں جب سحری کے وقت لوگ لاؤڈ اسپیکر سے نعت و منقبت کا کلام پڑھتے ہیں تو شہر ہی میں نہیں بلکہ قرب و جوار کے دیہات و قصبات میں بھی ساری فضا حضرت رؤف کے جذبات عقیدت و محبّت سے معطّر محسوس ہوتی ہے۔ اُنھوں نے شاعری کا شغل نہ کسی دنیوی منفعت کے لئے اختیار کیا تھا، نہ اُس سے جاہ و دولت حاصل کرنا مقصود تھا۔ نہ شہرت و نام کی ہوس تھی۔ یہ صرف اُن کے جذبات عقیدت کے اظہار کا ایک وسیلہ تھی اور اِس مقصد میں حضرت رؤف بھی کامیاب رہے اور اُن کی شاعری بھی۔ اس لیئے وہ مطمئن ہیں کہ اُنھوں نے اپنی صلاحیتوں کو ایک اچھے مقصد کے لیئے صرف کیا ہے۔ مرزا غالبؔ نے عیش کی تعریف اِن لفظوں میں کی ہے کہ ”اگر کسی شخص کی توجّہ مُفرط بجانب کسی شے کے ہو، اور بے تکلّف اس میں بسر کرے تو اِسے ”عَیش“ کہتے ہیں۔“ حضرت رؤف کی توجّہِ مُفرِط، بجانبِ نعتِ رسول ہے، اور وہ اِس شغل میں بے تکلف بسر کرتے ہیں، لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ بھی اپنی شاعری کے وسیلے سے ”عیش“ کرتے ہیں۔ اور اِس اعتبار سے بعض وہ شعراء بھی حضرتِ رؤف کے مرتبے تک نہیں پہنچ سکتے جو اُن سے زیادہ نام آور ہیں۔

نعتِ رسول اُن کے دل و دماغ پر اتنی غالب ہے کہ اب وہ اُن کی طبیعت ثانیہ بن چکی ہے، چنانچہ وہ غزل میں کچھ کہتے ہیں تو رنگ نعت و منقبت کا حاوی رہتا ہے یعنی اُن کے غزلیہ اشعار بھی، جن کا ممدوح یا محبوب غیر مُسمّیٰ ہوتا ہے بے تکلّف نعت و منقبت کی طرف محمول کیئے جا سکتے ہیں۔ اور اِس نکتے کی طرف حضرتِ اُفق کاظمی کے مجموعۂ

”گلرنگ تخیّل“ کا دیباچہ لکھتے وقت ہی اظہار کر دیا تھا۔ حضرتِ رؤف کے کلام کے تین مجموعے اب تک شائع ہو چکے ہیں پہلا نعت و منقبت کا مجموعہ ”لخلخۂ محامد“ تھا اور مجازی کلام ”گلرنگ تخیّل“۔ دونوں نام تاریخی ہیں۔ پھر تیسرا مجموعہ ”کوثرِ رحمت“ اپنے تاریخی نام سے (۱۳۷۵ھ) مرتّب ہوا جس کے لئے ازراہِ لطف و محبت حضرتِ رؤف نے مجھے مقدمہ لکھنے کا حکم دیا۔ میں نے اُس وقت یہ بھی لکھا تھا کہ حضرتِ رؤف کا کلام نعت و منقبت یقیناً بہت بلند پایہ ہے مگر انھوں نے خالص رنگ تغزّل میں جو کچھ لکھا ہے وہ بھی ہمارے اعتنا کا مستحق ہے اب مدّت سے مجازی کلام کا مجموعہ بھی ختم ہو چکا ہے اور اس عرصہ میں کچھ اور کلام بھی جمع ہو گیا تھا، اس لیئے حضرتِ رؤف نے اپنے مدّاحوں اور عقیدت مندوں کے اصرار پر اُسے بھی دوبارہ چھپوانے کا ارادہ کیا تو پھر مجھے حکم ہوا کہ اِس مجموعے کا پیش لفظ لکھوں۔ یہ وعدہ کسی نہ کسی سبب سے ٹلتا رہا لیکن حضرتِ رؤف کا خیال تھا کہ اگر میں کچھ لکھوں گا تو وہ مجموعہ شائع کریں گے ورنہ نہیں۔ میں اُن کے مجموعے کی اشاعت میں مانع ہونے کا وبال کیوں اپنے سر لیتا، لہٰذا بطورِ امتثالِ اَمر کچھ لکھنا میرے لیئے واجب ہوا۔

یہ بات بھی حضرتِ رؤف کی شخصیت کا ایک دل کش پہلو پیش کرتی ہے کہ وہ اپنے کلام کی اشاعت کے لئے نہ کبھی اخبار و رسائل کی طرف دیکھتے ہیں نہ کسی ناشر اور کتب فروش کے دست نگر ہوتے ہیں، بلکہ اپنے محدود وسائل ہی سے اُس کے طبع کرانے کا سامان فراہم کرتے ہیں اور پھر اُسے اہلِ ذوق اور عقیدت مند حضرات کو بطور ہدیہ پیش کر دیتے

ہیں۔ حالانکہ اِس زمانے میں کتنی ہی مُہمل کتابیں لکھی جاتی ہیں اور چھاپی جاتی ہیں اور اُن سے منفعت بھی حاصل کی جاتی ہے مگر یہ سب کچھ حضرتِ رؤف کے وہم میں بھی نہیں گذرتا۔ پھر ایسے بے لوث اور بے نفس خادمِ شعر و سخن اور ایسے نام و نمود یا شہرت کی ہوس سے بے نیاز بزرگ استاد کے کلام پر مقدمہ لکھنا ظاہر ہے کہ مقدمہ نگار کے لیئے بھی فخر و مباہات کی بات ہوگی۔

مَیں نے پہلے امروہہ کے اساتذۂ متقدمین کا تذکرہ کیا، پھر چند باتیں حضرتِ رؤف کی شخصیت اور کمالاتِ ذاتی اور مکارمِ اخلاق کے بارے میں لکھیں، اب اُن کے فنِ غزل گوئی پر جو گفتگو کی جائے گی وہ اپنے صحیح سیاق و سباق میں ہوگی اور اُس کی معنویت اور زیادہ روشن ہو کر سامنے آئے گی۔ اُن کی شاعری بھی اُن کی ذات کا آئینہ ہے۔ میں نے شروع ہی میں کہا کہ رؤف کا ظاہر و باطن یکساں ہے اور خلوص، سادگی قناعت اور محبت اُن کے خمیر میں ہے۔ بعینہٖ یہی حالت اُن کی شاعری کی ہے۔ جس طرح حضرتِ رؤف ہر طرح کے تکلّف اور تصنّع سے آزاد، اور روایت کے پابند، اور وضع دار انسان ہیں مگر اس سادگی کے باوجود اُن کا خلوص سب کے لئے عام ہے اور ہر شخص کو پہلی ہی ملاقات میں احساس ہو سکتا ہے کہ وہ کسی گہرے یا پیچیدہ انسان سے نہیں مل رہا ہے بلکہ ایک معصوم صفت مخلص انسان سے مخاطب ہے، اِسی طرح اُن کی شاعری کا مطالعہ کرتے ہوئے آپ لب و لہجہ کی سادگی، بے تکلفی، اثر انگیزی اور سلاست و صفائی سے متاثر ہوں گے بلکہ جو تواضع اور انکسار حضرت رؤف کے مزاج میں ہے وہ بھی ان کی شاعری

میں نظر آجائے گا۔ بعض اشعار اتنے سادہ اور سہل ہوں گے کہ اُن کی نثر کرنا دشوار ہے اور اگر نثر میں اُس مضمون کو ادا کرنا ہو تو اُس سے مختلف انداز ملنا مشکل ہے۔ اسے علم بدائع میں ”سہلِ ممتنع“ کہا جاتا ہے۔ اِس میں اضافتِ توصیفی ہے، یعنی وہ سہل جس کی صفت ممتنع ہونا ہے، یعنی کوئی لکھنے بیٹھے تو دشواری کا احساس کرے گا۔ اس بارۂ خاص میں بھی اُن کی شخصیّت اثر انداز ہوئی ہے، حضرتِ رؤف نے اپنے لئے جن معمولات کو آسان بنا لیا ہے اگر دوسرا کوئی اُن پر عمل کرنا چاہے تو اسے رنج و تعب کا احساس ہو سکتا ہے مگر رؤف کے لئے وہ ایسا معمول بن گئے ہیں کہ اب اُن کے ترک سے تکلیف ہوتی ہے۔ اس سادگی اور سلاست کے ساتھ دوسرا وصف اَثر ہے اور یہ بالکل فطری امر ہے۔ اُنچہ از دل خیزد بر دل ریزد۔ وہ جن کیفیّات کا ادراک کرتے ہیں اُنھیں ذریعۂ اظہار میں ادنیٰ سا تکلف کئے بغیر لفظوں کا پیکر عطا کر دیتے ہیں اس لئے وہ روایاتی مضامین بھی جن کے ہم معنی اشعار شعرائے متقدّمین کے کلام میں کثرت سے مل جائیں گے جب حضرتِ رؤف کی زبان سے ادا ہوتے ہیں تو اُن سے مانوسیت کا احساس ہوتا ہے۔ لیکن اِس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ زبان و بیان کے حسن سے بے خبر ہوں گے۔ ان کی زبان روزمرّہ سے قریب تر ہے اور قواعد کی پابندیوں کا پورا احترام بھی پایا جاتا ہے۔ شعر کے نمایاں عیوب مثلاً تعقید، ابہام، ایطاء وغیرہ سے وہ پرہیز کرتے ہیں اگرچہ نہ اُنھوں نے کسی اُستادِ فن سے باضابطہ اصلاح کرائی ہے نہ فن و قواعد کا اس نظر سے مطالعہ کیا ہوگا۔ وہ خود بیان کرتے ہیں کہ ایک

غزل پر کچھ اصلاح حضرت جگرؔ مراد آبادی نے کی تھی اور کچھ کلام حضرت سید فضلِ ستّار "لااُبالی" نے بنظرِ اصلاح ملاحظہ فرمایا تھا۔ ورنہ درحقیقت حضرت رؤف کو تلمذ مبدا، فیاض ہی سے رہا ہے۔

زبان و بیان کی سادگی کا بُرا پہلو تو شاید کوئی بھی نہیں ہوتا ایک بڑی اہم صفت یہ ہے کہ نہایت دقیق مضامین بھی کبھی کبھی ایسے بے ساختہ نظم ہو جاتے ہیں کہ خود شاعر کو بھی شاید احساس نہ ہو پاتا ہو گا کہ اُس نے ایک گہرے نکتے کو پیش یا الفاظ میں بیان کر دیا ہے۔ شاید مولانا حالیؔ نے لکھا ہے کہ مومن خاں مومنؔ کے اِس شعر پر:

تُم مِرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

مرزا غالبؔ اپنا پورا دیوان نچھاور کرنے کو تیار تھے۔ غور کیجئے تو اس میں گہرا نکتہ ہے کہ تصوف کے مسئلۂ فنافی اللہ اور بقا باللہ کو مومن نے ایسے عام الفاظ میں نظم کر دیا ہے کہ اب شاید ہی کوئی اس مضمون کو اس سے بہتر الفاظ اور اسلوب میں نظم کرنے پر قادر ہو سکے گا۔ شعر کے مفہوم کا راز اُس وقت کھلتا ہے جب آپ یہ دیکھیں کہ یہاں دوسرے مصرعہ کو یوں ہونا چاہئے تھا کہ "جب کوئی تیسرا نہیں ہوتا۔" مگر پہلے مصرعہ میں گویا اور دوسرے میں "دوسرا" نے اسے مجاز کے علاوہ حقیقت کے رنگ میں بھی بے مثل شعر بنا دیا ہے۔

حضرتِ رؤف کے کلام میں بھی ایسی متعدد مثالیں ملیں گی جہاں وہ گہرے فلسفیانہ اور حکیمانہ یا متصوّفانہ مضامین کو سہل اور سرل انداز میں بیان کر جاتے ہیں۔ مثلاً اُنھوں نے خود بیان فرمایا کہ اُستادی

و مرشدی حضرت شاہ سلیمان احمد چشتی علیہ الرحمۃ نے ایک بار مشاعرے میں رؤف کی غزل سُن کر اس شعر کی بطورِ خاص داد دی تھی اور فرمایا تھا کہ آپ نے بہت ہی نازک مسئلے کو بہت حسن و نزاکت سے نظم کر دیا ہے ۔ شعر یہ ہے :

کچھ ایسی دل کشی ہے صورت میں آدمی کی
گویا بنانے والا بیٹھا ہے آدمی میں

اس شعر کے سمجھنے کے لئے صوفیہ کا نظریۂ وحدت الوجود اگر پیش نظر رہے اور اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ آدمَ علیٰ صُورَتِہٖ" اور "نَفَخْتُ فِیہِ مِنْ رُوحِی" کی تفسیر ذہن میں ہو تو معلوم ہو گا کہ تخلیقِ آدم کے سلسلے میں صوفیہ کا نظریہ کیسے سہل اسلوب میں نظم ہو گیا ہے ۔

تصوّف کو "برائے شعر گفتن خوب است" کہا گیا ہے یہ سبب یہ ہے کہ اس سے شاعر کو خام مواد آسانی سے دستیاب ہو جاتا ہے اور شعر اگر مُبہم یا مغلق رہ جائے تو بجائے شاعر سے مفہوم کا مطالبہ کرنے کے لوگ اپنے پاس سے مفہوم ڈال دیتے ہیں اور جتنا مُبہم شعر ہوتا ہے اُتنی ہی کثیر اُس کی تعبیریں کر لی جاتی ہیں ۔ لیکن اگر مسئلۂ وحدت الوجود ہی کو لیا جائے تو یہ سراسر کشفی اور ذوقی و وجدانی مسئلہ ہے اِس کو ریاضی کی قطعیت کے ساتھ بیان نہیں کیا جا سکتا نہ ہر شخص اس میں کلام کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے لیکن حضرتِ رؤف نے اس سے صرف "شعر گفتن" کا کام نہیں لیا ہے وہ تصوف کے دقیق اور رقیق مسائل کو بھی سادگی اور سلاست سے نظم کرتے ہیں اس طرح کہ صاحبِ ذوق کو اُس سے حظ حاصل ہوتا ہے ۔ مثلاً یہ اشعار دیکھیں :

عاشقوں کو کفر کیا اسلام کیا
تم جدھر ہو گے اُدھر جائیں گے ہم

مشہور مسئلہ ہے کہ علم کی ابتدا، حیرت سے ہوئی اور اس کی انتہا بھی حیرت ہے حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ:

این مدّعیان در طلبش بے خبرانند
آں را کہ خبر شد خبرش باز نیامد

اور اسی مفہوم کو عبدالرحیم خان خاناں نے ایک دوہے میں یوں باندھا ہے

رحیمن بات اَگم کی کہنْ سُننَ کی ناہیں
جانت ہیں، سو کہت نہیں، کہتْ سو جانت ناہیں

حضرت نظام الدّین اولیاؒ کو ایک بار اِس ہندی مصرعے پر وجد طاری ہوا اور کئی ساعت یہ کیفیّت رہی (بینا بن بھاجے کیسا سُکھ سے بَھائن سو) غرض یہ تصوّف کا بہت ہی مسلّمہ مسئلہ ہے کہ جسے "عرفان" حاصل ہو جاتا ہے اُس کی زبان بند ہو جاتی ہے ایک عربی مقولہ بھی ہے "مَنْ عَرَفَ ربّہٗ فقد کلّ لِسانُہٗ" حضرت رؤف نے اس مسئلہ کو بہت آسان لفظوں میں بیان کیا ہے:

جن کو ملتی ہے حقیقت کی خبر
اُن کے لب پہلے سِیے جاتے ہیں

صوفیہ مظاہر کائنات میں ہر مظہر کا عین خدا کو مانتے ہیں۔ لیکن یہ مسئلہ بھی خاصا نازک اور پیچیدہ ہو جاتا ہے اور منطقی سوالات اس کو گھیرنے لگتے ہیں۔ خدا ہر شے میں ہے، مگر کوئی شے اُس جیسی نہیں ہے بقول غالب:

ہر چند ہر ایک شے میں ہے تو
پر تجھ سی تو کوئی شے نہیں ہے

حضرت رؤف نے وحدت وجود کے دقیق مسئلے کو کتنے آسان اور عام فہم اور دل نشین انداز میں نظم کیا ہے

محبت میں جب مبتلا ہو گئے وہ
تو کثرت میں وحدت نما ہو گئے وہ

ایک حدیثِ قدسی اس طرح بیان کی گئی ہے "کُنت کنزاً مخفیاً فاحببتُ ان اعرفَ فخلقتُ الخلق"۔ یعنی میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا، میں نے چاہا کہ مجھے دریافت کیا جائے تو میں نے مخلوقات کو پیدا کیا۔ یعنی اِس حدیث کی رو سے کائنات کا مقصدِ تخلیق عرفانِ خداوندی ہے۔

کہیں رندِ میکش کی صورت بنائی
کہیں صوفیٔ باصفا ہو گئے وہ

یہ بھی توحیدِ خالص کا مسئلہ ہے کہ زردشتیوں کے عقیدے کی طرح خیر اور شر کے خالق الگ الگ نہیں ہیں بلکہ "والقدرِ خیرہٖ وشرّہٖ من اللّٰہِ تعالیٰ"۔ رند اور صوفی سب اُسی کی صفات کا آئینہ ہیں

دل مضطرب بن گئے عاشقوں میں
حسینوں میں ناز و ادا ہو گئے وہ

یعنی جذب و انجذاب، سب خدا ہی کی طرف سے ہے وہی ایک شان سے عاشق میں متجلّی ہوتا ہے دوسری ادا سے محبوب میں۔ ظاہر بیں کو دونوں میں فرق نظر آئیگا مگر صوفی کی چشمِ وحدت بیں محب کو محبوب سے الگ نہیں دیکھے گی۔

کہیں اپنی شاہی کے سکے جمائے
کہیں نے کے کاسہ گدا ہو گئے وہ

اعلیٰ و ادنیٰ، پست و بلند، شاہ و گدا، سب کا خالق وہی ہے، سب اُس کی صفات کا عکس ہیں۔ کائنات کے سکوت میں بھی اُس کا جلوہ ہے اور شور و صدا میں بھی

گلستاں میں گل بن کے جلوہ دکھایا
نیستاں میں نَے کی صدا ہو گئے وہ

مُوسیٰ کی زبان سے "ربِّ اَرِنی" کہنے والا بھی وہی تھا اور "خرَّ مُوسیٰ صَعِقاً" بھی اُسی کی شان تھی، نجد کے بیاباں میں سرگرداں بھی وہی تھا، اور ناقۂ لیلیٰ کا محمل نشین بھی۔ اس لئے کہ یہاں جو کچھ ہے سب اُس کے امرِ "کُن" سے پیدا ہوا ہے جب کائنات اُس کی صفتِ خلق و قدرتِ تکوین کا مظہر ہے تو یہاں جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ اُس کی صفات کا ظہور ہے۔ ہم نے اسے نور و ظلمت اور خیر و شر وغیرہ کی اصطلاحوں میں اپنے سمجھنے کو اسیر کر لیا ہے ورنہ:

حدِّ حسنِ تو با دراک نشاید دانست
ویں سخن نیز باندازۂ ادراک منست

اگلے اشعار میں رؤف نے صاف کہہ دیا ہے

شریعت میں سجدے کئے بندگی کے
حقیقت میں عینِ خدا ہو گئے وہ

یہاں "شریعت" اور "حقیقت" کے الفاظ سے کتنا فائدہ اٹھایا ہے اور کتنے گہرے مسئلے کو کتنی آسانی سے بیان کیا ہے۔ یعنی علمِ حقیقت کی رو سے خواہ انسان "عینِ خدا" ہو جیسا کہ منصور نے نعرۂ "انا الحق" لگایا تھا مگر شریعت کا اطلاق احکامِ ظاہر پر ہو گا اور وہاں "انا الحق" کہنے

والے کو بھی سجدے سے مستثنیٰ نہیں کیا جا سکتا۔ مقطع میں کہتے ہیں

اور اب ایک درویش کا روپ بھر کر
رؤفِ حزیں کی صدا ہو گئے   وہ

اِس مجموعے میں ایسے متعدد اشعار ہیں جن میں مسائلِ تصوّف یا نظریۂ وحدت الوجود کو آسان اور دل نشین اسلوب میں بیان کیا گیا ہے۔ مرزا غالبؔ نے کچھ مسائل نظم کئے تھے اور اُن کو اپنی بلاغت کا احساس ہوا تھا کہ اُنھوں نے ایک ’’حال‘‘ کو ’’قال‘‘ بنا دیا اگرچہ اُن کا حال بھی بھی ہوتا تو کیا ہی بڑی بات ہوتی اور مقطع میں کہہ اُٹھے تھے

یہ مسائلِ تصوّف، یہ ترا بیان غالبؔ
تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

حضرتِ رؤف نے بھی مسائلِ تصوف باندھے ہیں اور غالبؔ نے بیان کی جس بلاغت اور سادگی کی طرف اشارہ کیا تھا وہ بھی اُن اشعار میں ہے۔ لہٰذا یہ دونوں باتیں تو حضرتِ رؤف اور غالبؔ کے ’’درمیانِ مسائلِ تصوّف میں مشترک ہوئیں۔ غالبؔ نے خود ہی لکھا ہے ’’جو نہ بادہ خوار ہوتا‘‘ یعنی ’مقامِ حال‘ سے کہتا اب بادہ خوار ہونے کی صورت میں اُس پر حال کا گمان نہیں کیا جا سکتا۔ جس میں ’’قال‘‘ ہی قال ہے۔ خدا کے فضل و کرم سے حضرتِ رؤف ’’بادہ خوار‘‘ نہیں ہیں۔ اس صفت میں وہ بیانِ مسائلِ تصوّف کی حد تک غالبؔ سے ممتاز سمجھے جا سکتے ہیں اور صاف ہی کیوں نہ کہہ دوں کہ ماشاء اللہ ’’صاحبِ حال‘‘ بھی ہیں اور مسائلِ تصوّف کے بیان کے لئے ہی نہیں تجربے کے لئے بھی جن شرائط کی ضرورت ہے اُن کی تکمیل کرتے ہیں پھر اُن کے

سادہ سے کلام میں بھی کیوں اثر نہ ہوگا۔

لیکن ان کی غزل تصوف کے مضامین ہی میں بند نہیں ہی
اتنے مضامین اُس زمانے میں روایت کے طور پر ہر شاعر کے کلام میں آجا
تھے خواہ اس کا اندازِ بیان مناسب اور موثر ہو یا نہ ہو۔ ان کی غزل میں
بھی تصوّف ایک تناسب سے ملتا ہے۔ نہ وہ مفقود ہے نہ بالکل غائب
ہے۔ حضرت رؤف جس عہد میں غزل سرا ہیں اُسے نظر میں رکھ کر ان
کے کلام پر تبصرہ و تنقید ہونا چاہیئے۔ وہ نہ موجودہ معیاروں کے ترجما
ہیں۔ نہ اُنھوں نے غزل سے بغاوت کرنے والے گروہ میں اپنا نام
لکھوایا ہے۔ نہ انھیں پیغام دینے والے شاعروں کی صف میں رکھے جا
نہ وہ اپنے کلام میں کسی فلسفۂ حیات و کائنات کی نقاب کشائی کا دعویٰ
کرتے ہیں بلکہ وہ ہمارے غزل گو شعراء کی اُس صف سے تعلّق رکھتے ہیں
جس کے اب شاید چند ہی بزرگ باقی رہ گئے ہوں وہ اُس غزل کی
روایت سے وابستہ ہیں جو اردو کو فارسی ادبیات سے ملی تھی اور جس کی
نشو ونما ہند ایرانی تہذیب کے ماحول میں ہوئی تھی۔ اُنھوں نے جس
عہد میں نغمہ سرائی کی اُس وقت داؔغ اور اُن کے تلامذہ کا طوطی بول
رہا تھا۔ امیر مینائی، ریاؔض اور جلیؔل وغیرہ کا شہرہ تھا پھر حسرؔت اور
جگر مرادآبادی کا دَور تھا جنھوں نے تمام قدیم علامتوں اور استعاروں کو
اُسی طرح استعمال کیا ہے جیسے وہ متقدّمین کے کلام میں پائی جاتی
ہیں۔ اسی لئے حضرت رؤف کی غزل کا تنقیدی مطالعہ کرتے ہوئے
ہمیں وہی معیار سامنے رکھنے چاہئیں جن معیاروں سے ہم روایتی غزل
کے اساتذۂ متاخرین پر گفتگو کرتے ہیں۔

سادہ سے کلام میں بھی کیوں اثر نہ ہوگا۔

لیکن ان کی غزل تصوف کے مضامین ہی میں بند نہیں ہے اتنے مضامین اُس زمانے میں روایت کے طور پر ہر شاعر کے کلام میں آجاتے تھے خواہ اس کا اندازِ بیان مناسب اور موثر ہو یا نہ ہو۔ ان کی غزل میں بھی تصوّف ایک تناسب سے ملتا ہے۔ نہ وہ مفقود ہے نہ بالکل غائب ہے۔ حضرت رؤف جس عہد میں غزل سرا ہیں اُسے نظر میں رکھ کر اُن کے کلام پر تبصرہ و تنقید ہونا چاہیئے۔ وہ نہ موجودہ معیاروں کے شاعر ہیں۔ نہ اُنھوں نے غزل سے بغاوت کرنے والے گروہ میں اپنا نام لکھوایا ہے۔ نہ انھیں پیغام دینے والے شاعروں کی صف میں رکھا جاسکتا نہ وہ اپنے کلام میں کسی فلسفۂ حیات و کائنات کی نقاب کشائی کا دعویٰ کرتے ہیں بلکہ وہ ہمارے غزل گو شعراء کی اُس صف سے تعلق رکھتے ہیں جس کے اب شاید چند ہی بزرگ باقی رہ گئے ہوں وہ اُس غزل کی روایت سے وابستہ ہیں جو اردو کو فارسی ادبیات سے ملی تھی اور جس کی نشو و نما ہندایرانی تہذیب کے ماحول میں ہوئی تھی۔ اُنھوں نے جس عہد میں نغمہ سرائی کی اُس وقت داغؔ اور اُن کے تلامذہ کا طوطی بول رہا تھا۔ امیر مینائی، ریاضؔ اور جلیلؔ وغیرہ کا شہرہ تھا پھر حسرتؔ اور جگرؔ مرادآبادی کا دور تھا جنھوں نے تمام قدیم علامتوں اور استعاروں کو اُسی طرح استعمال کیا ہے جیسے وہ متقدّمین کے کلام میں پائی جاتی ہیں۔ اسی لئے حضرت رؤف کی غزل کا تنقیدی مطالعہ کرتے ہوئے ہمیں وہی معیار سامنے رکھنے چاہئیں جن معیاروں سے ہم روایتی غزل کے اساتذۂ متأخرین پر گفتگو کرتے ہیں۔

کلامِ رؤفؔ کی دو خصوصیات کا اور تذکرہ کروں گا۔ اُنھوں نے عموماً بہت مترنم، شیریں، سہل، اور سالم بحروں میں اشعار کہے ہیں ان بحروں کے انتخاب ہی کا اثر ہے کہ غزل کی غنائیت میں اضافہ ہو گیا ہے اور بعض غزلیں تو ایسی ہیں کہ ان کا اثر بھی ترنم ہی سے ظاہر ہوتا ہے ورنہ مستور رہتا ہے، حالانکہ دل چسپ بات یہ ہے کہ حضرت رؤفؔ اپنا کلام تحت اللفظ ہی پڑھتے ہیں۔ اُن کی مندرجۂ ذیل غزلیات کا مترنم آہنگ خاص طور پر توجہ کا طالب ہے۔

(۱) نہ تھا جب عشق یہ ساماں کہاں تھا
(۲) خوگر ہوں میں تو ہجر کے صدمے اُٹھاؤں گا
(۳) اب تو کچھ چاہیئے اِس دل کا مداوا کرنا
(۴) اسی شان سے مٹاتے مجھے تھا اگر مٹانا
(۵) اس طرح نقاب اٹھے رُخ سے، یوں پیش کروں نذرانۂ دل
(۶) لے کے دل درد دیئے جاتے ہیں
(۷) چھُپنے کو چھپیں، لیکن آخر چھُپ کر بھی رہیں گے کہیں نہ کہیں

اس فہرست میں بہت اضافہ کیا جا سکتا ہے۔ یہاں صرف بطورِ مثال یہ بتانا مقصود ہے کہ رؤفؔ صاحب نے بعض اساتذۂ فن کی طرح اپنی قادر الکلامی کی دھاک بٹھانے کے لئے نہ بحروں میں غیر مانوس زحافات لگائے ہیں نہ مشکل ردیف قافیے استعمال کئے ہیں۔ اُن کا ہنر بے تکلف غزل سرائی ہے اور اس میں وہ یقیناً کامیاب ہیں انھوں نے کبھی ابتدائی دور میں شاید دیوانِ حافظ سے بھی شغف رکھا ہے کیونکہ غیر شعوری طور پر حافظ کی غنائیت اور موسیقیت اُن کی اختیار کردہ

بحروں میں بھی ملتی ہے۔ اور غنائیت کا اندازہ کرنے کے لئے ایک پیمانہ یہ بھی ہے کہ اُن کے بیشتر اشعار حروفِ علت (vowel) پر تمام ہوتے ہیں یا غُنّائی حرفوں پر۔ دوسری خصوصیت یہ کہ حضرت رؤف نے بعض مختصر بحریں بڑی کامیابی سے برتی ہیں اور یہاں وہ ہمیں مصحفی اور قائمؔ چاندپوری کی چھوٹی بحروں کی غزلیں یاد دلاتے ہیں۔ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ طویل بحروں کی بہ نسبت مختصر بحروں میں غزل کہنا کہیں زیادہ دشوار ہوتا ہے اور اگر شاعر اس پر قادر ہو تو بحر کے ایجاز سے غزل کی ایمائیت مل کر نیا ہی جادو جگا دیتی ہے۔ اِس دعوے کے ثبوت کے لئے میرؔ کی ایسی غزلیں جیسے “پنکھڑی اک گُلاب کی سی ہے” یا مصحفیؔ کی وہ غزل “خواب تھا یا خیال تھا کیا تھا؟”، یا “بادل جو گِھرا ہوا کھڑا ہے” اور غالبؔ کی “دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے” یا قائمؔ چاندپوری کی “اب کی جو یہاں سے جائیں گے ہم” یاد کرنی چاہیئں۔ اُن کے رمز و ایماء کی بڑھی ہوئی کیفیت کا راز خود بحروں کے مختصر ہونے میں بھی ہے اس کا قاری کو تأمّل کے بغیر احساس نہیں ہوتا۔ رؤف کی غزلیں جیسے:

(۱) آہ میں کیا اثر نہیں آتا
(۲) اگر کوئی نالہ رسا ہو گیا
(۳) اگر میرا افسانہ سُن پائیے گا
(۴) نکلنے کو ہے جانِ ناتواں اب
(۵) تری راہ میں نقشِ پا ہو گئے ہم
(۶) آپ کے در سے اگر جائیں گے ہم

وغیرہ، اُن کے تغزّل کی نمایندہ ہیں اور اُن میں کلاسیکی غزل کا رس اپنے پورے رچاؤ کے ساتھ موجود ہے۔

مجھے بہت خوشی ہے کہ حضرتِ رؤفؔ کے کلامِ مجاز کا مقدمہ لکھنے کی سعادت بھی مجھے نصیب ہوئی۔ آخر میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ اُنھیں صحت و عافیت کے ساتھ طویل عمر نصیب ہو کیونکہ اُن کے دم سے ایک متبرک محفل کے انوار ساری بستی پر سایہ کیے ہوئے ہیں، اور وہ خود بھی اساتذہ کی اُس صف سے تعلق رکھتے ہیں جس کی نشانیاں اب معدوم ہو جاتی ہیں۔ یہ خود ہمارے حسنِ ذوق اور سعادت مندی کی کسوٹی ہے کہ ہم اُن کی شخصیت کا اکرام کریں اور ان کے شعری کارناموں کی قدر کریں ورنہ حضرتِ رؤفؔ کو اِس کی ہوس نہیں ہے، اور مجھے یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ عموماً ہمارے شعراء، رسماً ہی سہی، مقطع تک آتے آتے کوئی نہ کوئی مضمون تعلّی کا ضرور باندھ جاتے ہیں، اور شاعروں کو اس کی رخصت بھی دی گئی ہے مگر حضرتِ رؤفؔ کے مقطعوں میں تمام تر عجز و انکساری کے مضامین ہیں کہیں ادنیٰ سا شائبہ بھی کسی تعلّی کا نہیں ہے، اِسی ایک نکتے سے اُن کے مزاج کی افتاد اور شخصیت کی عظمت کو سمجھا جا سکتا ہے۔

نثار احمد فاروقی

شعبۂ عربی
دہلی کالج۔ اجمیری گیٹ
دہلی ۶
یکم دسمبر ۱۹۷۵ء
۲۶۔ ذی قعدہ ۱۳۹۵ھ

تبصرہ

اثر خامہ شاعرِ اسلام مصورِ حقیقت حضرت مولانا اُفقؔ کاظمی

تمہید۔ جناب رؤفؔ امروہوی میرے اُن مخلص احباب میں سے ہیں جو ابتدائے تعارف سے آجتک اپنی سادہ و مخلصانہ روش پر قائم ہیں، دنیائے شاعری کی فضا اکثر مکدر ہوتی رہی اور ہوتی رہتی ہے جس سے بسا اوقات حلقۂ احباب میں نہ صرف تفرقہ پیدا ہو جاتا ہے بلکہ ایک دوسرے کے حریف مدِ مقابل اور معاند تک بنجاتے ہیں. لیکن محبی رؤف کے اور میرے تعلقات بدستور قائم اور ترقی پذیر ہیں والحمد للہ علیٰ ذالک۔

اسی بنا پر رؤف خلوت و جلوت میں ہمیشہ مجھے اپنا کلام خصوصیت کے ساتھ سناتے رہے اور سناتے رہتے ہیں۔ اور اب کہ خدائے سخن آفریں کے لطف و کرم سے اُن کے کلام کو حلیۂ طبع سے آراستہ ہونے کا موقع مل رہا ہے تو اُنھوں نے اُسی مخلصانہ تعلق کے باعث اپنا کلام ترتیب و انتخاب کی غرض سے میرے سپرد کیا اور تقدمہ و تبصرہ کی خواہش کی۔

یہ واقعہ ہے کہ مجھے آج تک کسی شاعر کے کلام پر تنقید و تبصرہ کا موقع ہی ملا ہے نہ ہجومِ افکار و حوادث اور پریشانیٔ خیالات کے باعث اب اس طرف طبیعت ہی چلتی ہے اسی لئے مَیں نے ”نخلخۂ محامد“ پر بھی ’رباعیاتِ انسیؔ“ کی طرح ایک مختصر سا تمہیدی مضمون لکھدیا تھا جو بعنوانِ مقدمہ

شامل کتاب ہے اب "گلرنگِ تخیل" پر بھی جو کچھ سرسری طور پر لکھ رہا ہوں اس کو صحیح معنی میں تقدمہ یا تبصرہ کہنے کا مدّعی نہیں۔ ناظرین کرام جو چاہیں سمجھ لیں۔

آج کل مقدمہ نگاری کے ذریعہ اکثر اہلِ قلم اپنے احباب یا معتقد علیہ اصحاب کے متعلق جس قدر مبالغہ سے کام لیتے ہیں وہ ارباب نظر سے پوشیدہ نہیں افسوس کہ مجھ سے یہ روش اختیار نہیں کی جا سکتی نہ محبّی رؤفؔ ہی کو تکلف و تصنع پسند ہے اس لئے میں ان سطور میں کلام ذوقؔ کی بعض خصوصیات اور محاسن کو سادگی کے ساتھ اجاگر کروں گا نہ بہ تکلف عبارت آرائی ہوگی نہ دُور از کار معانی آفرینیوں سے زمینِ شعر کو عرشِ معلّٰے پر لے جانے کی سعیِ لاحاصل۔ وَمِنَ اللّٰہِ التّوفیق وبہٖ نستعین۔

تبصرہ

جناب ذوقؔ "لخلخۂ محامد" کے ذریعہ طبقۂ شعراء نیز شعر پسند پبلک میں کافی مشہور ہو چکے ہیں ہر چند کہ اُن کا دلی رجحان اور طبعی میلان محامد و مناقب کی طرف ہے لیکن میدانِ مجاز میں بھی اُن کے سمندِ طبع نے جولانیاں دکھائی ہیں جس کے آثار و نقوش "گلرنگِ تخیل" کی صورت میں مرتسم ہو کر دنیائے شعر کی دل چسپی کا سامان فراہم کر رہے ہیں۔ ذوقؔ کا یہ زیرِ نظر مجموعۂ کلام تقریباً پچیس ۲۵ سال کی طبع آزمائی اور دماغ سوزی کا نتیجہ ہے جس کی اکثر و بیشتر غزلیں امروہہ کے مختلف مشاعروں بالخصوص میری بزم سخن کی یادگار ہیں اور معدودے چند افکارِ فرصت کے شوقیہ افکار

اس مجموعہ پر کسی تقدمہ و تبصرہ کی میرے نزدیک اس لئے کوئی ضرورت نہیں محسوس ہوتی تھی، کہ کلامِ ذوقؔ بجائے خود اتنا سادہ ہے اور

عام فہم ہے کہ ناظرین و سامعین بیک نظر و بیک سماعت اس کا مطلب و مدعا سمجھ کر لطف اندوز ہو سکتے ہیں اور بعض ناقدین شعر کے نزدیک شعر کی سب سے بڑی خوبی یہی ہے کہ اتنا صاف اور سریع الفہم ہو کہ ادھر شاعر کی زبان سے مصرع اولیٰ ادا ہوا اور اُدھر سامعین کے ذہن میں مصرع ثانی یا اُس کا مضمون آ جائے، جب کلام رؤفؔ کی یہ شان ہے تو ظاہر ہے کہ اس پر کوئی تبصرہ کرنا تحصیل حاصل کے مترادف ہوگا. لیکن روف صاحب کا دوستانہ اصرار ہے کہ "گلرنگ تخیّل" پر بھی "لخلخۂ محامد" کی طرح کچھ نہ کچھ ضرور لکھا جائے اور میرے ہی قلم سے لکھا جائے اس لئے مختصر الفاظ میں کچھ روشنی ڈالنے کی کوشش کر رہا ہوں۔

۱- "لخلخۂ محامد" کے مقدمہ میں کلامِ رؤفؔ کی یہ خصوصیت نمایاں کی جا چکی ہے کہ اُن کے تصوّرِ شعری کا اصلی محبوب و مخاطب حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدس ہے حتیٰ کہ وہ میدانِ مجاز میں بھی گامزن ہوتے ہیں تو چند قدم چلنے کے بعد ہی اُن کا ذوقِ باطن اُن کے اشہبِ فکر کی باگ منزلِ نعت ہی کی طرف پھرا دیتا ہے، فرق صرف اتنا رہ جاتا ہے کہ اُن اشعار میں آنحضرت صلعم کا نامِ مبارک صراحتہً مذکور نہیں ہوتا۔ ورنہ یہ اشعار بھی نعتِ صریح کے دائرے میں آ جائیں اور یہ ایک عجیب نعمت ہے جو خدائے رؤف و رحیم نے اپنے سعید بندے رؤفؔ کو عطا فرمائی ہے اس قسم کے تقریباً چالیس شعر آئندہ صفحات میں پیش کئے جا رہے ہیں۔ ناظرین ملاحظہ فرمائیں۔

۲- اسی مذکورہ خصوصیت کی وجہ سے کلامِ رؤفؔ میں تنوّع، رنگا رنگی اور شوخی بہت کم پائی جاتی ہے اوّل سے آخر تک مضامین و خیالات

کی یکرنگی، کلام کی یکسانی بلکہ بعض مواقع پر تکرار بھی نظر آئے گی، لیکن سادگی صفائی، بیساختگی اور اپنے مخصوص روزمرّہ کو کہیں ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ تکلف و تصنع جس طرح اُن کے عادات و اطوار سے دور ہے اسی طرح اُن کے ابیات و اشعار سے بھی کافور ہے، بالفاظ دیگر وہ تخیّل و تفکّر کے زور سے مضامین کی تخلیق و آورد نہیں کرتے جو خیالات و جذبات اُن کی طبع موزوں میں خود بخود پیدا ہوتے ہیں وہ اُنھیں کو اپنے سادہ و بے تکلف الفاظ میں بے ساختہ نظم کر دیتے ہیں ع "اور اس سادگی میں بھی جوبن ہیں لاکھوں" یہی وجہ ہے کہ مشکل ردیفوں کی غزلیں اُن کے دونوں مجموعوں میں بہت کم ہیں۔

۳۔ تشبیہات و استعارات سے اگرچہ رؤفؔ اپنی سادگی پسندی کی بنا پر گریز کرتے ہیں لیکن جہاں کہیں عام اور بے تکلّف تشبیہات سامنے آجاتی ہیں اُنھیں بڑی صفائی سے نظم کر جاتے ہیں۔

۴۔ چھوٹی بحروں اور شگفتہ ردیف و قوافی سے اُنھیں خاص دلچسپی ہے چنانچہ اُنھوں نے چھوٹی بحروں کے بہت سے شگفتہ مصرعے مجھ سے تجویز کرا کر اُن پر طبع آزمائی کی اور خود میری اس قسم کی متعدد غزلوں پر غزلیں کہی ہیں وہ ایسی بحروں میں بڑی روانی و برجستگی سے پیارے پیارے شعر کہتے چلے جاتے ہیں جس کا اندازہ ناظرین کو مطالعۂ کلام سے ہوگا۔

۵۔ رؤفؔ کو مشاہیر کی پسندیدہ و متعارفہ غزلوں کی تضمین کا خاص ذوق ہے، چنانچہ "لخلخۂ محامد" کی طرح اس مجموعہ میں بھی کافی تضمینیں موجود ہیں اُن کا یہ ذوقِ تخمیس نہ صرف کلام مشاہیر تک محدود ہے بلکہ اکثر اپنی غزلوں کے بھی خمسے کئے ہیں تضمینوں میں عموماً مضامین کا پھیلاؤ زیادہ ہو جاتا ہے اور بسا اوقات

اصل شعر کا خاص مفہوم بھی کچھ سے کچھ ہو جاتا ہے۔ لیکن ذوقؔ نے اپنے ذوقِ سلیم اور ادراکِ صحیح سے اس خوبی کے ساتھ تضمینیں کی ہیں کہ اصل غزلوں کو چار چاند لگا دیئے ہیں جو اُن کے سلیقۂ تضمین کا بیّن ثبوت ہے۔ لطف یہ ہے کہ مصرعہائے تضمین میں سلاست و روانی اور بے تکلّفی کی خصوصیت اپنی پوری شان کے ساتھ موجود ہے۔

ایک آزادہ روی اور سہولت ان تضمینوں میں یہ ہے کہ بیشتر مطالع غزلیات کے مصرعہائے تضمین میں اصلی شعر کے قافیہ و ردیف کی پابندی نہیں کی گئی۔ یہ آزادی "لخلخۂ معاند" کی تضمینوں میں بھی ہے جو قابلِ تعریض نہیں بلکہ لائق تقلید ہے۔ اس طرح مضامین میں کافی گنجائش پیدا ہو جاتی ہے اور بہ تکلف آورد کی مشکل بھی پیش نہیں آتی۔ پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ دَورِ حاضر میں قدماء کی اکثر شدید و مزید قیود کو سہولت پسند طبائع برداشت نہیں کر سکتیں۔ بہر کیف ذوقؔ سلیقۂ تضمین میں بڑی حد تک کامیاب ہیں اور اُن کی تضمین معنی خیز و دلچسپ۔

اس اجمالی و سرسری نظر ڈالنے کے بعد میں اس گلستانِ اشعار کے چند بکھرے ہوئے پھول چُن کر اُن کے رنگ و بو کے متعلق اپنا خیالِ ناقص ظاہر کرتے ہوئے ناظرینِ کرام کے مشامِ طبع کی خاطر کچھ سامانِ تعطّر فراہم کرنے کی کوشش کرتا ہوں شاید اربابِ نظر کی مزید تفریحِ طبع کا باعث ہو سکے۔

حمد باری تعالیٰ جل ثناؤہٗ کے میدان میں شعراء عموماً اپنی بساط و مقدور کے مطابق بلندیِ فکر اور زورِ طبع دِکھانے کی کوشش کرتے ہیں لیکن ذوقؔ کے نغمۂ حمد میں اپنی فطری سادگی کے ساتھ وحدت الوجود کا رنگ نمایاں ہے، یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ ذوقؔ وحدت الوجود کے بحرِ ناپیدا کنار کی اتھاہ گہرائیوں اور اس کے بے پناہ گردابوں میں علماً و عملاً غرق ہیں یا اُس پر کامل عبور رکھتے ہیں۔ مگر

صوفیائے وجودی کے عام فہم اقوال و اشعار سے وہ ضرور آشنا اور ذوق چشیدہ معلوم ہوتے ہیں، نیز اُن کو صوفیاء و اہل اللہ سے خاص انسیت ہونے کے علاوہ ایک صاحبِ حال بزرگ سے شرفِ بیعت بھی حاصل ہے اس لئے شاعری میں بھی صوفیانہ رنگ پسند ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ رنگِ تصوّف اکثر پاک نفس شعراء پر غالب رہا ہے جس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ شاعری اور بالخصوص اردو شاعری کا آغاز و عروج زیادہ تر صوفیائے کرام کی شعر گوئی کا رہینِ منت ہے، اُن کا کلام عام طبائع پر کافی اثر انداز ہوا۔ حتیٰ کہ اکثر شعراء نے تقلیداً یہی رنگ اختیار کر لیا۔ اس رنگ میں ایک حد تک آسانی بھی ہے۔ رؤفؔ کی طبیعت کو چونکہ اس رنگ سے ایک عملی تعلق اور لگاؤ بھی ہے اس لئے اُن پر صوفیانہ بالخصوص وجودی تصوّف کا رنگ غالب ہے چنانچہ وہ اپنی سادگی و روانی کی خصوصیت کے ساتھ مقامِ حمد میں یوں نغمہ سرائی کرتے ہیں ؎

اے خدائے پاک بے ہمتا ہے تُو   ہر صفت میں برتر و اعلا ہے تُو
رونقِ ارض و سما ہے تیری ذات   بحر و بر کا جلوۂ زیبا ہے تُو
میری آنکھوں میں ہے تیری روشنی   میرے دل میں حُسن کا جلوا ہے تُو
میرے ہر انداز میں تیری ادا   میری ہر آواز میں گویا ہے تُو

چوتھے شعر میں انداز کے ساتھ ادا، اور آواز کے ساتھ گویا کا استعمال اپنی مناسبت کے لحاظ سے ایک خاص لُطف و کیف پیدا کر رہا ہے۔

عبد و معبود یا عاشق و معشوق کے ارتباطِ باہمی کی پختگی کا نتیجہ "من تو شدم تو من شدی" کی شکل میں ظہور پذیر ہونا اہلِ عشق کا مسلّمہ ہے، مگر رؤفؔ اپنے خالق کی صنعتِ تخلیق کے ظہورِ محض ہی سے اس نتیجہ پر پہنچ گئے اور "اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ" کی حکمت معلوم کر کے "من تو شدم تو من شدی" کا نغمۂ روح پرور

گانے لگے ملاحظہ ہو ؎

اپنی صورت پر مجھے پیدا کیا   یعنی میں تیرا ہوں اور میرا ہے تو

یعنی اگر ایسا نہ ہو تو مجھے اپنی صورت پر پیدا ہی کیوں کرتا، بلحاظ نظریۂ وحدت الوجود، اتحاد عبد و معبود یا اتحاد عاشق و معشوق کی کتنی لطیف اور دلچسپ توجیہ ہے۔

کائنات کے ذرّہ ذرّہ میں آفتابِ وحدت کی جلوہ آرائی مسلمات وجود میں سے ہے، شاید ہی کوئی متصوّف شاعر ایسا ہوگا جس نے اس مضمون کو اپنے کسی نہ کسی شعر میں ادا نہ کیا ہو۔ رؤفؔ بھی اہلِ نظر کو چشمِ بینا سے مشاہدۂ جمالِ حقیقت کی ترغیب دیتے ہیں ؎

چشمِ بینا سے کوئی دیکھے تجھے!   ذرّہ ذرّہ میں نظر آتا ہے تو

میرا ایک مطلع ہے ؎

دیدۂ دل سے اگر دیکھنے والا دیکھے   ذرّہ ذرّہ میں ترے حُسن کا جلوا دیکھے۔ (اُفق)

اکثر علماء و صوفیا دین و دنیا میں فرق و امتیاز کی ایک حدِ فاصل قائم کرتے ہوئے ترکِ دُنیا کی تبلیغ و تلقین فرماتے ہیں۔ رؤفؔ مالکِ دین و دنیا کو اپنا کعبۂ مقصود بنا کر دونوں عالم کو ایک ہی مرکز پر اپنا لیتے ہیں دیکھئے کس انداز سے کہتے ہیں ؎

تجھ سے مطلب ہے، مجھے دارین میں   دیں ہے میرا، مری دنیا ہے تو

شعرِ ذیل میں وجودِ حقیقی یعنی ذاتِ واجب الوجود اور وجودِ ظلّی یعنی اپنے وجود کے دو حسین منظر دکھاتے ہیں ؎

عشق کے پیکر میں ہوں میں رُو نما   حُسن کے انداز میں پیدا ہے تو

مصرعِ ثانی میں پیدائیٔ حق کے لئے اندازِ حُسن کا استعارہ کتنا لطیف ہے۔ اگلے شعر میں من و تو کے تصوّر میں غرق ہو کر تمام کائنات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہتے ہیں ؎

گوشہ گوشہ ہیں بساطِ دہر کے   مختصر یہ ہے کہ میں ہوں یا ہے تُو

لیکن برقِ وحدت الوجود تازیانہ بن کر چمکتی اور چشمِ رؤفؔ کو دائرہ احولیت اور دوبینی سے باہر نکالنا چاہتی ہے اب اُن کی چشمِ بصیرت کُھلتی ہے اور ہوش میں آکر بیساختہ کہہ اُٹھتے ہیں ؎

تو دوئی لیکن نہیں کرتا پسند   اب یہ حیرت ہے کہ میں ہوں یا ہے تُو

حقیقت یہ ہے کہ اس مادّی عالم کے دائرہ میں رہتے ہوئے بحرِ معرفت میں غوطہ زنی کے باوجود ذاتِ باری تعالیٰ تک رسائی محال ہے اور سوائے حیرت کے اور کچھ حاصل ہونا دشوار ہے عارفِ شیراز حضرت سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ؎

چہ شب ہا نشستم دریں دیر گم   کہ حیرت گرفت آستینم کہ قُم

علم کُنہِ ذات کے دیر گم گشتہ کلید میں مدّت العمر مراقب و متفکّر رہیے، مقامِ حیرت سے آگے طائرِ ادراک کی پرواز نہیں ہوتی، ہر چند کہ تجلّیات انوار سے دُنیائے دل روشن و منوّر بھی ہو جائے، اس حقیقت کو میں نے ایک مطلع میں واضح کیا ہے ؎

تجلی سے بھی کچھ دل کی پریشانی نہیں جاتی   کسی صورت اس آئینہ کی حیرانی نہیں جاتی

(افقؔ)

الحاصل رؤفؔ کی یہ غزل حمد سراسر اسی رنگ میں رنگی ہوئی ہے، البتہ اس کے متعدد اشعار ”لخلخہ محامد“ والی غزل حمد کے اشعار کا آئینہ یا بہ تغیر چند الفاظ اُنھیں کی تکرار ہیں بہر کیف اہلِ ذوق کے لئے بہت کچھ سامانِ کیف اس غزل میں موجود ہے، اسی رنگ کی بعض اور غزلیں ہیں مثلاً نون کی ردیف میں ؎

عاشقوں میں درد کی صورت نظر آتا ہوں میں
نازنینوں میں سراپا ناز بن جاتا ہوں میں

اور ہائے ہوّز کی ردیف میں ؎

محبّت میں حبّ مبتلا ہو گئے وہ
تو کثرت میں وحدت نما ہو گئے وہ

رؤفؔ کے ذوقِ وجودیت کے آئینہ دار ہیں اور تسلسل مضمون کا مرصّع ہار۔ ان دونوں غزلوں کے آخری دو دو شعر حاصلِ کلام ہیں ملاحظہ ہوں ؎

غنچہ و گل ماہ و انجم ذرّہ و مہر آب و خاک
مختصر یہ ہے کہ ہر ہر شکل میں آتا ہوں میں
میری ہی تصویر کے خاکے ہیں قیس و کوہکن
اب محبت میں رؤفؔ نار کہلاتا ہوں میں

غرض اپنے جلوے کو اتنا بڑھایا
کہ ہر چیز میں رونما ہو گئے وہ
اور اب ایک درویش کا روپ بھر کر
رؤفِؔ حزیں کی صدا ہو گئے وہ

(ی) کی ردیف کے ایک شعر میں صاف صاف کہہ دیتے ہیں ؎

وہ میری روشنی میں اُن کا جلوہ
حقیقت ہے کوئی مانے نہ مانے

ان اشعار سے ناظرین اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہ جدید تعلیم یافتہ، انگلش ماسٹر اور مسٹر رؤف کیسے چھپے ہوئے وجودی صوفی ہیں۔ "ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء"

یہ ایک حقیقت اور علم عقائد کے مسلمات سے ہے کہ مادّی دنیا میں ان مادّی آنکھوں سے رویت باری تعالیٰ محال ہے، غیر محدود و غیر مادّی ہستی نگاہِ محدود و مادّی میں نہیں سما سکتی اسی وجہ سے ذاتِ باری تعالیٰ کو آجتک کسی نے نہیں دیکھا نہ صرف بیداری میں بلکہ خواب میں بھی اس کے باوجود تمام عالم کو کسی نہ کسی رنگ میں ایک واجب الوجود اور علت العلل ہستی کے مانے بغیر چارہ نہیں اور اہل ایمان بے دیکھے اس کے والا و شیدا ہیں "یومنون بالغیب" کے ذیل میں قرآن مجید نے اِس نکتہ کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ رؤفؔ اسی بسیط مضمون کو ایک مختصر سے شعر میں کس سادگی سے بیان کر جاتے ہیں ؎

تجھے خواب میں بھی نہ دیکھا کبھی   زمانہ ترا مبتلا ہو گیا!!

ذیل میں وہ اشعار پیش کئے جاتے ہیں جن کے متعلق میں نے اوپر بیان کیا ہے کہ یہ بظاہر مجازیہ معلوم ہوتے ہیں مگر بباطن نعتیہ ہیں۔ ملاحظہ ہوں ؎

۱ - خاک ہی اُنکے دَر کی بن جاؤں   مجھ سے یہ بھی مگر نہیں آتا
۲ - تمہاری بزم میں اے شاہِ خوباں   جو چُپ تھا وہ رؤفِ بے زباں تھا

---

۳ - جس طرف جس راہ سے اُنکا گذر ہونے لگا   ذرّہ ذرّہ غیرتِ شمس و قمر ہونے لگا

---

۴ - محرمِ راز نہ تھا واقفِ اسرار نہ تھا،   جو غلام آپکے در کا مِرے سرکار نہ تھا
۵ - آخرش ہو کے رہا وہ سگِ دُنیا کا شکار   جو ترے دامِ محبت میں گرفتار نہ تھا
۶ - آپ کا نام تو تھا تا دمِ آخر لب پر   کون کہتا ہے رؤف آپکا بیمار نہ تھا

---

۷ - اب تو کچھ چاہیئے اس دل کا مداوا کرنا   آپکے ہاتھ میں ہے مارنا زندا کرنا
۸ - گُل پریشاں شمع گریاں سوختہ پروانہ تھا" الخ (یہ پنج شعری غزل نعتیہ ہے)

---

۹ - تم اُٹھا دو اپنے در سے مگر اتنا غور کر کے   کہ ہم ایسے بیکسوں کا کہیں اور ٹھکانہ ہے
۱۰ - میں جدھر نظر اُٹھاؤں تمہیں مستِ ناز پاؤں   میں جہاں بھی سر جھکاؤں ہو تمہارا آستانہ
۱۱ - ہوں تمہارے در کا سائل ہو مری مُراد حاصل   رہے تا ابد مبارک تمہیں تاجِ خسروانہ

---

۱۲ - تمہارے در پہ مٹنے کی ٹھنی ہے   یہ سر ہے اور سنگِ آستاں اب

۱۳۔ اس طرح نقاب اُٹھے رُخ سے یوں پیش کروں نذرانۂ دل
وہ شمع جمال نظر آئے اور صدقے ہو پروانۂ دل

۱۴۔ تری راہ میں نقشِ پا ہو گئے ہم " الخ اس غزل کے پانچ شعر نعت شریف کے ذیل میں آتے ہیں۔

۱۵ - اور کچھ ہو نہیں سکتا ہم سے   آپ کو یاد کئے جاتے ہیں
۱۶ - تم ہی بھولے ہوئے ہو انکو رؤف   وہ تمہیں یاد کئے جاتے ہیں

---

۱۷ - عاشق کو کیا کسی کے اچھے برے سے مطلب   جینا تری گلی میں مرنا تری گلی میں

---

۱۸ - ہاں باد صبا پھر وہی دلدار کی باتیں الخ یہ پوری غزل نعتیہ ہی ہے"

---

۱۹. کس کو دیکھو گے تمہیں شانِ کریمی کی قسم   عفو کو یا مجھ پریشاں حال کی تقصیر کو

---

۲۰ - "کبھی تم نور افزائے نظر ہو" الخ اس غزل کے تقریباً گیارہ شعر نعت شریف کے ذیل میں آتے ہیں۔

۲۱ - تمہارے عشق کا بیمار ہو جاؤں تو صحت ہو   مروں تم پر تو مل جائے حیاتِ جاوداں مجھ کو
۲۲ - رؤف اب تو یہاں سے سر نہ اُٹھیگا نہ اُٹھے گا   مقدر سے ملا ہے اُن کا سنگِ آستاں مجھ کو

---

۲۳ - جبینِ شوق کے سجدے وہیں ہونے لگے پیہم   ذرا سی خاک اُن کے آستانے کی جہاں بکھری

---

۲۴ - جو عمر اُن کے در پر بسر ہو گئی،   تو سمجھوں گا اچھی گذر ہو گئی

۲۵ - سَرِ حشر جب اُن کی آمد ہوئی   قیامت اِدھر سے اُدھر ہو گئی

---

۲۶ - کس نے پردہ اُٹھا دیا رُخ سے   رنگِ خورشید زعفرانی ہے
۲۷ - کیوں نہ رکھوں گا سر ترے در پر   اپنی تقدیر آزمانی ہے

---

۲۸ - حیات و موت دونوں میں تمہاری ذات ہے شامل
نہ تم بِن کوئی مَرتا ہے نہ تم بِن کوئی جیتا ہے

نورِ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) مبدأ کائنات ہے، اِسی نُور سے تمام مخلوقاتِ عالم وجود میں آئی ہے، حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی کی شبیہ مبارک سوالِ نکیرین کے بعد انسان کے سامنے پیش کی جاتی ہے، پھر موت کا رمل طاری ہوتی ہے اس نظریہ کے لحاظ سے یہ شعر نعتیہ ہے۔

۲۹ - رؤفِ بینوا کب سے کھڑا ہے ہاتھ پھیلائے   اِسے بھی بھیک مل جاتی تمہارے در کا منگتا ہے
۳۰ - مثالِ بےمثالی ہے تمہاری ہر ادا پیارے   تمہارا جو طریقہ ہے زمانے سے نرالا ہے
۳۱ - تمہارے دم سے ہے نظمِ زمین و آسماں قائم   تمہارے حُسن ہی سے بزمِ ہستی میں اُجالا ہے

---

۳۲ - جب تک کہ جسم و رُوح ہیں آہنگِ ساز ہے   یہ سنگِ در ہے اور جبینِ نیاز ہے
۳۳ - میدانِ حشر میں کہیں شرمندگی نہ ہو   مجھ کو تمہاری شانِ کریمی پہ ناز ہے

---

۳۴ - تم سے اے شہِ خوباں کیا کہوں گلہ کیا ہے۔ آخر یہ پنج شعری غزل بھی دائرۂ نعت میں آتی ہے۔

---

۳۵ - طُور پر جلوہ دکھانا اور ہے   اُدْنُ مِنّی کا ترانہ اور ہے

(اِس غزل کے متعدد اشعار نعتیہ ہیں)

۳۶ - "ناز سے ٹھوکر لگاتے جلیئے" الخ چند شعر اس غزل کے بھی نعتیہ پہلو لئے ہُوئے ہیں -

۳۷ - "بحرِ غمِ اُلفت میں یہ حال ہمارا ہے" الخ یہ غزل بھی نعتیہ رنگ ہی کی ہے

۳۸ - "آنکھوں کا جو تمہاری بیمار ہو گیا ہے" الخ " " " " "

۳۹ - بس اے مرغِ تخیّل روک لے پرواز کو اپنی　　جہاں وہ ہیں وہاں تک فکرِ انسانی نہیں جاتی

۴۰ - حقیقت میں تمہارے اس قدر احسان ہیں مجھ پر　　کہ تم کو جان دیکر بھی پشیمانی نہیں جاتی

مذکورہ بالا اشعار و محولہ غزلوں میں نعتیہ پہلو غالب ہونے کے علاوہ اور بھی محاسن ہیں جن کی تشریح موجب تطویل ہے، اس قسم کے اور بھی اکثر اشعار ہیں اور تضمینیں تو سب ہی نعت شریف کے دائرہ میں آسکتی ہیں جن کو بادنیٰ تامّل و تصوّر پڑھا جائے تو سراسر نعت شریف کا لطف حاصل ہوتا ہے، اور میں تو یہی خیال کرتا ہوں کہ یہ اشعار کہتے وقت رؤف کے تصوّر و تخیّل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدّس ہی ہوگی -

تشبیہات و رعایات کے متعلق میں نے کہا ہے کہ رؤف کے کلام میں بہت کم ہیں تاہم مندرجہ ذیل مثالیں کافی پُر لطف ہیں ؎

کبھی گیسو کبھی رُخ کا تصوّر　　وہ میری شام یہ میری سحر ہو

ڈوبا ہوا ہے دِل تری اُلفت کی موج میں　　قطرہ ہے اپنے ساتھ سمندر لئے ہوئے

گُل سے اے بُلبل تجھے کس چیز کی اُمید ہے　　چاک دامن سے سمجھ لے خاک دامن میں نہیں

لوگ کہتے ہیں کہ رُخسار پر اُن کے تل ہے
میں تو کہتا ہوں کہ دل ہے کسی دیوانے کا

سیدھی ہوئی تو خوبیٔ تقدیر ہوگئی
بل کھا گئی وہ زلف تو زنجیر ہوگئی

خالص رنگِ مجاز میں بھی رؤف بڑی سادگی و روانی کے ساتھ دلچسپ شعر کہتے ہیں ایک عام بات ہے کہ عاشق ناکام ہمیشہ بے تاثیریٔ آہ کے شاکی رہتے ہیں۔ رؤف اس کے قائل نہیں اُن کو یقین ہے کہ اگر صحیح معنی میں آہ کرنا آتا ہو تو ہماری آہیں بے اثر نہیں رہ سکتیں ؎

آہ میں کیا اثر نہیں آتا
آہ کرنا مگر نہیں آتا

محبوب کی چشمِ مست کا اثر ایسا نہیں کہ جسے وہ اِک نظر دیکھ لے پھر کبھی اسکو ہوش بھی آسکے۔ شعرِ ذیل میں اس حقیقت کا کتنا دلکش مرقع ہے۔

اک نظر جس کو تم نے دیکھ لیا
ہوش اُسے عمر بھر نہیں آتا

شعرِ ذیل میں حُسن کا کتنا عجیب کمال دکھایا ہے ؎

حُسن کا یہ کمال تو دیکھو!
سامنے ہے نظر نہیں آتا

عاشق کی قسمت کا بننا بگڑنا دراصل معشوق کے وصل و ہجر سے وابستہ ہے، شعرِ ذیل میں اس حقیقت کو کتنے سادہ طریقہ سے ادا کیا ہے ؎

تم آجاؤ سنور جائے، چلے جاؤ بگڑ جائے
تمہارے ہاتھ ہے بننا بگڑنا میری قسمت کا

دُنیا سے رخصت ہوتے وقت محبوب اپنے محب کو تسلی دیتے ہوئے کہتا ہے "اب قیامت کو ملیں گے" لیکن رؤف کو اس وعدۂ ملاقاتِ قیامت میں قیامت خیز تردداتِ پنہاں معلوم ہوتے ہیں، اس لئے کہ دُنیا میں سیکڑوں مذاہب ہیں جن میں سے اکثر تو قیامِ قیامت کے کسی نہ کسی رنگ میں قائل ہیں لیکن بعض اس عقیدے ہی کے منکر ہیں پھر جو مذاہب عقیدۂ قیامت کو تسلیم کرتے ہیں

اُن کے نظریاتِ قیامت میں اختلاف ہے جس کی تشریح کا یہ موقع نہیں رؤفؔ کو جب اس اختلافِ نظریات کا خیال آتا ہے تو وہ مایوسانہ گھبراہٹ میں کہتے ہیں ؎

یہاں ہیں سیکڑوں مذہب قیامت ہے جُدا سب کی؛ خدا جانے وہ وعدہ کر گئے ہیں کس قیامت کا

اگر اس شعر کے مصرع ثانی کو یوں تبدیل کر کے پڑھا جائے ع ”کیا ہے کیا خبر وعدہ کسی نے کس قیامت کا“ تو یہ شعر دائرۂ مجاز سے نکل کر سراسر مرکزِ حقیقت میں مرکوز ہو جائے۔ مذاہبِ اہل کتاب میں قائلین ذاتِ باری تعالیٰ کو قیامت کے دن دیدارِ باری تعالیٰ کی قوی امید دلائی گئی ہے لیکن ان مذاہب کے سیکڑوں فرقے ہیں جن کے خیالات و عقائد میں بہت کچھ تفاوت ہے اور وہ عقیدۂ قیامت میں ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے ہیں اس نقطۂ نظر سے شعر کا مفہوم یہ ہوگا کہ ”نہیں معلوم اُن کا وعدۂ دیدار کس قیامت سے وابستہ ہے“۔

میدانِ حشر میں تمام مخلوقات کے ساتھ سب حسینوں کا جمع ہونا بھی یقینی ہے اُن کا نظارۂ جمال چشمِ حقیقت بیں کے لئے حقیقتاً تماشائے قدرت ہے لیکن نظارۂ حسینانِ عالم کی تمنا کو تماشائے قدرت کی آرزو کے لطیف پردہ میں چھپا کر پیش کرنا لطیف شعریت ہے۔ رؤفؔ نے سادگی اور بھولے پن کے ساتھ شعرِ ذیل میں اسی لطیف شعریت سے کام لیا ہے ؎

سُنا ہے حشر کے میدان میں سارے حسیں ہونگے   الٰہی ہم بھی دیکھیں گے تماشا تیری قدرت کا

یہ شعر مایوسی و بیکسی کا حسرتناک مرقع ہے ؎

دیا کس وقت اسکو طاقتِ رفتار نے دھوکا   مُسافر رہ گیا تکتا ہوا مُنہ شامِ غربت کا

معشوق عاشق سے جُدا ہونے پر آمادہ ہے، عاشق چونکہ صدمات کا خوگر ہے

اس لئے کہتا ہے کہ میں تو صدمۂ ہجر بھی برداشت کر لوں گا لیکن اے محبوب سراپا نزاکت اگر کبھی تجھے میری یاد آگئی تو اس یاد کی تکلیف کو تیری نزاکت برداشت نہیں کر سکتی اِس لئے ارادۂ جُدائی سے باز رہنا چاہیئے اتنے وسیع اور دل نشیں مضمون کو کس خوبی سے اس شعر میں کھپایا ہے ؎

خوگر ہوں میں تو ہجر کے صدمے اُٹھاؤنگا　　　تم کیا کرو گے جب ہیں تمہیں یاد آؤنگا

عاشق کو اگر مشاہدۂ جمال میسّر نہ ہو تو وہ خیال و تصوّرِ یار ہی سے دل کو تسکین دینے اور بہلانے کی کوشش کیا کرتا ہے۔ رؤفؔ اس مضمون کو ایک متوجہ کرنے والے عزمِ عاشقانہ کے ساتھ ادا کرتے ہیں ؎

جبتک تجھے نہ دیکھونگا اے جانِ آرزو　　　دِل کو ترِے خیال سے بہلائے جاؤنگا

اسی مضمون کا میرا ایک مطلع ہے ؎

دیکھئے کب آنکھ روشن ہو جمالِ یار سے　　　دِل کو میں بہلائے جاتا ہوں خیالِ یار سے (رفیع)

محبّتِ حقیقی کا ساز سوزِ اضطراب سے خالی نہیں ہوتا جب اس سے نغمہ ہائے آتشیں بلند ہوتے ہیں تو دُنیائے حُسن میں تاب سکون و قرار نہیں رہتی، شعر ذیل میں دنیائے حُسن کو متنبّہ کرتے ہوئے اس حقیقت کا اظہار ہے ؎

کر دوں گا بیقرار میں دُنیائے حُسن کو　　　جس وقت اپنا سازِ محبّت بجاؤنگا

معشوقانِ ستمگار عاشقانِ مظلوم کی آہوں کو بے اثر سمجھ کر اُن کی پروا نہیں کیا کرتے شعراء نے نئے نئے انداز میں اُن کو آہِ مظلوم سے ڈرایا ہے۔ فارسی کا ایک شعر ہے ؎

بترس از آہِ مظلوماں کہ ہنگام دُعا کردن　　　اجابت از درِ حق بہرِ استقبال می آید

رؤفؔ اس مضمون کو ایک بلیغ و لطیف اور موثر انداز میں ادا کرتے ہیں ؎

آہ سے مظلوم کی پرہیز کرنا چاہیئے　　　اب نہیں کوئی اثر لیکن اگر ہونے لگا

"لیکن اگر ہونے لگا" کی جزاءِ شرط کے حذف نے شعر میں ایک خاص حسن و کیف پیدا کر دیا ہے جس سے لطف اندوزی مذاقِ سلیم پر موقوف ہے۔

کششِ عشق بسا اوقات معشوق کو مزارِ عاشق پر کھینچ لاتی ہے اور مرنے والے عشّاق کی تمنّا بھی ہوتی ہے کہ معشوق اُن کے مزار پر آ کر دو پھول چڑھا دے کوئی چراغ جلا دے، فاتحہ خوانی کرے یا دو آنسو بہا دے۔ امیر خسروؔ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

کششے کہ عشق دارد نہ گزاردت بدیں ساں   بجنازہ گر نیائی بمزار خواہی آمد

لیکن رؤفؔ کو تاثیرِ عشق اور نزاکتِ محبوب کا اس درجہ خیال ہے کہ اُسے مزار پر آنے کی تکلیف گوارا نہ فرمانے کی وصیّت فرماتے ہیں ؎

نہ معلوم کیا واقعہ پیش آئے   لحد پر نہ تکلیف فرمائیے گا

معشوقانِ سراپا ناز اپنے دَر پر پڑے ہوئے عاشقوں کو اُٹھا دیتے ہیں، اُفتادگانِ درِ یار طرح طرح سے التماس و التجا کرتے ہیں کہ ہمیں دَر سے نہ اُٹھائیے، رؤفؔ مرضیِ محبوب کی مخالفت نہیں کرتے وہ رضائے دوست کا احترام کرتے ہوئے ایک عجیب ترحم آفریں انداز میں فرماتے ہیں کہ اے محبوب! ہمیں تمہاری مرضی میں تو کوئی دخل نہیں تم ہمیں اپنے دَر سے اُٹھا سکتے ہو لیکن اتنا غور فرمائیے کہ ہم ایسے بیکسوں کا تمہارے دَر کے سوا کوئی اور ٹھکانا ہے؟ جب تم جانتے ہو کہ ہمارا کوئی اور ٹھکانا ہی نہیں تو ہر پھر کے ہم تو یہیں دھونی رمائیں گے اور یہیں مَر مٹیں گے، ملاحظہ ہو ؎

تم اُٹھا دو اپنے در سے مگر اتنا غور کر کے   کہ ہم ایسے بیکسوں کا کہیں اور ہے ٹھکانا

عدالتِ آخرت میں انسان کے اعضاءِ بدن تک اُس کے خلاف شہادت دینگے تو دُنیا کی اور کونسی چیز قابلِ اعتماد ہو سکتی ہے پھر اُس کا بھروسہ کرنا حماقت نہیں تو

ادر کیا ہے شعرِ ذیل اسی عبرتناک بے اعتمادیِ عالم کی ایک داخلی شہادت ہے

ہاتھ اور پاؤں سنا ہے کہ گواہی دینگے   ہائے کس چیز پہ دُنیا کی بھروسہ کرنا

اگر مصرعِ اول کو یوں پڑھا جائے ع " دست و پا اپنے سرِ حشر گواہی دینگے" تو زیادہ مناسب ہوگا۔

کاروانِ بنی نوعِ انسان چمنستانِ جناں سے نیستانِ جہاں میں منتشر کر دیا گیا اور ہم " عدم سے جانبِ ہستی تلاشِ یار میں آئے" ہیں پھر اس راہ میں ہماری خوابِ راحت کتنی تعجب خیز عبرتناک اور محرومیِ مقصد کا باعث ہوگی شعرِ ذیل میں یہ مضمون ایک طنز آمیز نصیحت کے پیرایہ میں ادا کیا گیا ہے ؎

راستے میں سوتے ہوئے رؤفؔ یہ غفلت   ڈھونڈنے نکلے تھے تم تو کارواں اپنا

تنظیم قوم کے راحت پسند اور غفلت شعار مدّعی جو بلند بانگ دعوے لیکر اُٹھتے اور دو قدم چل کر سو جاتے ہیں کیا وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکتے ہیں؟ فیا للعجب!!!

عاشق انتظارِ محبوب میں گھلا جا رہا ہے، حالت نازک ہوتی جاتی ہے محبوب کی طرف سے اطلاع ملتی ہے کہ ہم آب آتے ہیں اب آتے ہیں لیکن وہ آ نہیں پاتا، آخر عاشق منتظر ایک مایوسانہ مگر متوجہ کن انتباہ کرتا ہے یہ شعر اسی جذبہ کا مُرقع ہے ؎

آپ آتے ہی رہیں گے دیکھنا   اور سفر دُنیا سے کر جائیں گے ہم

اس غزل کے ایک دو شعر اور بھی سُنیئے کتنے مؤثر ہیں۔

ہائے کب چھوڑا ہمیں صیّاد نے   اب کہاں بے بال و پر جائیں گے ہم
کیسے تڑپو گے وہ کہتے ہیں ذوقؔ   یہ تماشا دیکھ کر جائیں گے ہم

مقطع میں ستم ظریفیِ معشوق کا کتنا لاجواب مظاہرہ ہے۔

رؤفؔ نے یہ غزل میری غزل سُنکر کہی تھی جس کے تین شعر یہ ہیں ؎

اپنی ہستی سے گزر جائیں گے ہم　　عشق میں یہ کام کر جائیں گے ہم
وادیٔ غربت میں گم ہیں شکلِ ہوش　　اب خدا جانے کدھر جائیں گے ہم
کیا ملے گا اس تغافل سے تمہیں　　ہاں مگر بے موت مر جائیں گے ہم

دانۂ دل کا اُگ کر نخلِ سربلند و بار آور ہونا طوفانِ حوادث کے اُٹھنے اور خرمنِ ہستی کے لٹنے کا سبب ہوا کاش یہ اُگتا ہی نہیں یا اُگتے ہی کوئی بجلی گر کر اسے جلا دیتی تو مصائبِ مابعد سے دوچار نہ ہونا پڑتا۔ کتنا درد انگیز مضمون اس شعر میں پیش کیا گیا ہے ؎

طوفانِ حوادث کا اُٹھنا اور خرمنِ ہستی کا لٹنا!
اس روز ہی بجلی کیوں نہ گری جس روز اُگا تھا دانۂ دل

بڑی بحر کی ایک غزل کا یہ مطلع کس قدر حسین، پُر لطف اور حقیقتِ ثابتہ کا دل کش نمونہ ہے ؎

چھپنے کو چھپیں لیکن آخر چھپ کر بھی رہیں گے کہیں نہ کہیں!
جو ڈھونڈنے والے ہیں اُن کے وہ ڈھونڈ ہی لیں گے کہیں نہ کہیں

عاشق کو یار کی گلی میں جینے اور مرنے سے مطلب ہے اُس کو کسی اچھے بُرے سے کیا واسطہ شعرِ ذیل میں اس خیال کا سادہ مرقع ہے ؎

عاشق کو کیا کسی کے اچھے بُرے سے مطلب
جینا تری گلی میں مرنا تری گلی میں

صورتِ انسان کی دلکشی اپنے صانع کا مظہر ہونے کی دلیل معلوم ہوتی ہے ذیل کا شعر اس حقیقتِ ثابتہ کا آئینہ ہے ؎

کچھ ایسی دلکشی ہے صورت میں آدمی کی ؛ گویا بنانے والا بیٹھا ہے آدمی میں

میں نے سابق میں بتایا ہے کہ رؤف کو چھوٹی بحروں سے خاص دلچسپی

ہے وہ جہاں کہیں چھوٹی بحر کی دلچسپ غزل سنتے یا دیکھتے ہیں اُن کی موزونیٔ طبع کا دریا موجیں مارنے لگتا ہے اور ذرا سی فکر کے بعد اچھی خاصی غزل کہہ لیتے ہیں۔ ایسی غزلوں میں بعض اشعار تو ایسے کہہ جاتے ہیں کہ سامع کی طبیعت پھڑک جاتی ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ میرے مکان پر میری ایک غزل کے آٹھ دس شعر سننے کے بعد کہنے لگے کہ بس اب اور اشعار نہ سنائیے میں اس پر غزل کہوں گا غرض میرے پاس سے جاکر انھوں نے اس زمین میں غزل کہی جس کے چند شعر سنئے کتنے رواں اور پُرکیف ہیں۔

لے کے دِل درد دیئے جاتے ہیں　　وہ یہ اندھیر کیئے جاتے ہیں

ایک اور شعر کتنا سادہ اور کیف پرور ہے ؎

محتسب کا ہمیں کیا ڈر ساقی　　تو پلاتا ہے پیئے جاتے ہیں

قاعدہ ہے کہ گہرے زخموں پر پہلے کوئی مناسب چیز بھر کر ٹانکے لگائے جاتے ہیں زخمہائے دِل میں بھرنے کے لئے زہرِ غم سے زیادہ مناسب اور کیا چیز ہو سکتی ہے، شعرِ ذیل اس مضمون کا کتنا صبر آزما مرقع ہے۔

زہرِ غم پہلے بھرا جاتا ہے　　زخم جب دِل کے سیئے جاتے ہیں

تصویرِ یار سے بظاہر جی بہلنے کی ایک صورت متصور ہوتی ہے لیکن تصویر پھر تصویر ہے اس سے مقصود حاصل نہیں ہوتا۔ اس صورت میں وہ مزید اضطراب کا باعث بن جاتی ہے اور صاحبِ تصویر کی یاد اور زیادہ ستاتی ہے مندرجہ ذیل شعر میں اس کیفیت کی کتنی صحیح تصویر کھینچی ہے ؎

نئی صورت ہے یہ تڑپانے کی　　اپنی تصویر دیئے جاتے ہیں

اسی زمین میں بہ تبدیل قافیہ ایک دوسری غزل کے چند شعر سننے کے قابل ہیں ؎

اُن کی مرضی ہے سُنیں یا نہ سُنیں   ہم تو فریاد کئے جاتے ہیں
نہ تو بکتے ہیں محبت کے غلام   نہ یہ آزاد کئے جاتے ہیں
تم ہمیں یاد کرو یا نہ کرو   ہم تمہیں یاد کئے جاتے ہیں
تم ہی بھولے ہوئے ہو اُن کو رؤفؔ
وہ تمہیں یاد کئے جاتے ہیں

اب میں رؤفؔ صاحب کے کچھ مزید اشعار پر روشنی ڈال کر اس تبصرہ کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔ ہر ذی عقل جانتا ہے کہ ہر ایک بات اپنے موقع اور ٹھکانے سے اچھی ہوتی ہے، فارسی کا یہ مصرع ایک ضرب المثل ہے "ہر سخن موقع و ہر نکتہ مکانے دارد" اگر اس کے خلاف کیا جائے تو نتیجہ کی خرابی ظاہر ہے مثلاً حرم میں یادِ بتاں، بتخانہ میں نماز و اذاں شراب خانہ میں زہد و پرہیز گاری کے اظہار کا نتیجہ خوش گوار نہیں نکل سکتا انسان کو موقع شناسی کا لحاظ لازمی ہے، ممکن ہے بعض لوگ اس کو ڈپلومیسی قرار دیں، بہر کیف یہ امر حکمت سے خالی نہیں، رؤفؔ نے اسی موقع شناسی کے مدِنظر یہ حکیمانہ شعر کہا ہے ؎

حرم میں ذکرِ حرم بتکدے میں یادِ بتاں   شراب خانے میں باتیں شراب خانے کی

دوسرا مطلب اس شعر کا یہ بھی ہے کہ ہر موقع و مقام اپنی مناسبت اور موضوع لہٗ کے ذکر و بیان سے ہنگامہ در آغوش ہے۔

عشقِ محبوب میں مٹ جانا عاشقِ کامل کے نزدیک کوئی قابلِ اظہار بات نہیں ہے شعر ذیل اس بلند حوصلگی کا مظہر ہے ؎

یہ ہم نے مانا کہ تم مٹ گئے رؤفؔ اثیر   مگر یہ بات بھی کچھ ہو زباں پہ لانے کی

یکبارگی قتل کر دینے میں مقتول کو اتنی تکلیف نہیں ہوتی جتنی کہ بار بار تیر و سنان چبھو چبھو کر جان نکالنے میں ہوتی ہے یہ روشِ جانستانی کوئی بڑا ہی

بے درد قاتل اختیار کرتا ہے، شعرِ ذیل میں قاتل کی ایسی ہی انتہائی بیدردی کا اظہار کیا گیا ہے ؎

نکالی جان کس انداز سے قاتل نے رُک رُک کر
جہاں دلمیں تڑپ دیکھی وہیں نوکِ سناں کھدی

تصویر پرستی اسلام میں سراسر شرک ہے چہ جائیکہ دل میں تصویر رکھ لی جائے رؤف شعرِ ذیل میں اپنے آپ کو تصویرِ یار دل میں رکھنے کی بنار پر بڑا ہی زبردست کافرِ عشق قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں ؎

پوجنا تصویر کا ویسے ہی کفر و شرک تھا
اور میں وہ کافر کہ دلمیں یار کی تصویر تھی

وہ مدعیانِ عقل و ہوش جو لذتِ عشق سے نا آشنا ہوتے ہیں عاشقوں کو دیوانہ و مجنوں کا خطاب دیکر اُن کی تخفیف کیا کرتے ہیں اگر وہ عشق کے مزے سے واقف ہوں تو کبھی ایسا نہیں کر سکتے۔ قیس عامری ایک ذی علم ادیب اور فصیح و بلیغ شاعر تھا، مگر وہ عشقِ لیلیٰ میں اسیر ہو کر اہلِ عقل و ہوش کی مجالس سے بیگانہ ہو گیا تو ان مدعیانِ ہوش نے اس کو مجنوں کا خطاب دیدیا کیونکہ یہ غریب عشق کے مزے سے ہی واقف نہ تھے۔ شعرِ ذیل اس رازِ مخفی کا دلکش مرقع ہے عاقلوں کو غریب کہنا کتنا معنی خیز ہے ؎

قیس کو لقب بخشا عاقلوں نے مجنوں کا
یہ غریب کیا جانیں عشق میں مزا کیا ہے

مندرجہ ذیل اشعار بیان کی لطافت، زبان کی فصاحت، انداز کی بیساختگی، محاورات کی صحت اور درد و تاثیر وغیرہ کے دلکش نمونے ہیں۔

معنی خیز اندازِ بیان

کیا بتاؤں چارہ گر تجھ کو مجھے کیا ہو گیا
چوٹ لگ کر جگر میں درد پیدا ہو گیا

درد و تاثیر

آتے ہی یاد آپ کی آنسو نکل پڑے
آنکھوں سے رازِ عشق چھپایا نہ جا سکا

محبت غیر اختیاری چیز ہے

اُلفت کا داغ دِل سے مِٹایا نہ جا سکا   ہم سے تو یہ چراغ بجھایا نہ جا سکا

(رُعبِ حُسن کا اثر)

پیچھے تو ہو رہی تھیں ہزاروں شکایتیں   وہ آگئے تو لب بھی ہلایا نہ جا سکا

بے کسی و مجبوری

ہائے کب چھوڑا ہمیں صیّاد نے   اب کہاں بے بال و پر جائیں گے ہم

(مرض عشق لا علاج اور چارہ سازوں کی تشخیص سے بالا تر ہے)

چارۂ عشق کیا کرے کوئی   کس مرض کی دوا کرے کوئی

(انقلاب زمانہ)

محبت کی دلداریاں اب کہاں   وہ دُنیا ہی زیر و زبر ہو گئی

(معشوق کی شوخیٔ ناز)

مری جانب سے آنکھیں پھیر کر وہ ناز سے بولے   اِدھر دیکھو زمانہ اس طرح کروٹ بدلتا ہے،

(عالمِ نزع کی حسرت ناکی)

زباں سے کچھ نکل سکتا نہیں جب مرنے والے کی   تو بالآخر در و دیوار کو حسرت سے تکتا ہے،

(دنیائے عشق کا دائرہ)

تخیّل کوئے جاناں کا تجسّس بوئے جاناں کا   تصوّر روئے جاناں کا یہی عاشق کی دنیا ہے

(حسنِ تغزل)

تم نے کیوں ہم سے ضد کی ٹھانی ہے　　اب لڑکپن نہیں، جوانی ہے
کس طرح قافلہ لٹا دل کا　　ایک حسرت بھری کہانی ہے
جانتا ہوں فلک کی سب چالیں　　تیرے کوچے کی خاک چھانی ہے
میں سبک دوش کیوں ہُوا مَر کر　　اُن کو اس بات کی گرانی ہے
اے صبا رُخ ہو اُن کے کوچے کا　　خاکِ تربت اگر اُڑانی ہے

ایک وہ بھی تو ہستیاں ہیں رؤف
موت بھی جن کی زندگانی ہے

واہ واہ کیا فصاحت ہے کیا لطافت ہے　　کیا سلاست ہے کیا روانی ہے

ناظرین کرام ان سطور سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ "گلرنگ تخیل" زبان کی سلاست وصفائی، خیالات وجذبات کی پاکیزگی اور وارداتِ قلب کی ترجمانی کے ساتھ ساتھ رؤف کے اصلی رنگِ طبع کا آئینہ ہے اور عام دلچسپی کے لحاظ سے دنیائے ادب اُردو میں ایک مفید اور قابلِ قدر اضافہ، اس دورِ موجودہ میں جبکہ مخالفینِ اُردو، زبانِ اُردو کو مشکل خاص فہم اور بدیسی زبان قرار دیکر اُس کو مٹا دینے میں ایڑی چوٹی کا زور صرف کر رہے ہیں ایسے آسان سلیس اور دلچسپ مجموعۂ کلام کی اشاعت یقیناً ایک سعی مشکور کے مترادف ہوگی اس لحاظ سے جناب رؤف تمام حامیان وخادمانِ اُردو کی طرف سے مستحق آفرین ومبارک باد ہیں۔ میں اپنے دوست رؤف صاحب کو گلرنگ تخیل کی

اشاعت پر مبارکباد پیش کرتے ہوئے دُعا کرتا ہوں کہ خدائے سخن آفریں اسکو حُسنِ قبول عطا فرمائے۔ آمین۔

(دائرۃ الافق امروہہ)

فقیر افقؔ کاظمی
غفرلہ

بستم ذی قعدہ سنہ ۱۳۵۹ھ
مطابق نومبر سنہ ۴۰ء

قطعہ تاریخ

از حضرت تاجؔ صدیقی امروہوی

طبع گردید چو مجموعۂ ثانیِ رؤفؔ
اے زہے فکرِ رسا طبعِ رسا ذہنِ رسا
فکرِ چنداں چو پئے سالِ رواں کردم تاجؔ
در خیال آمدہ، "مرغوبِ طبائعِ زیبا"

۶۰ ھ ۱۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

حمد

اے خدائے پاک بے ہمتا ہے تو   ہر صفت میں برتر و اعلیٰ ہے تو
رونقِ ارض و سما ہے تیری ذات   بحر و بر کا جلوۂ زیبا ہے تو
کُن کہا اور بن گیا سارا جہاں   قدرت و صنعت عجب رکھتا ہے تو
اور اک ادنیٰ اشارہ سے ابھی   خاک میں سب کو ملا سکتا ہے تو
کیا مسلماں کیا نصاریٰ کیا یہود   سب ترے بندے ہیں اور مولا ہے تو
سب محبت سے تجھے کرتے ہیں یاد   سب کا تو محبوب ہے پیارا ہے تو
تیرے جلوہ پر ہی سب کی ہے نظر   یعنی سب کی آنکھ کا تارا ہے تو
فکر رہتی ہے تجھے ہر ایک کی   دونوں عالم کی خبر رکھتا ہے تو
تیری بخشش کا عجب انداز ہے   مانگنے سے پیشتر دیتا ہے تو
عام ہیں الطاف تیرے اس قدر   دشمنوں کو رزق پہنچاتا ہے تو

باپ کے مہر و کرم میں ہے نہاں   شفقتِ مادر میں پوشیدا ہے تو
ناتوانوں کی ہے تو تاب و تواں   بے کسوں کا ملجا و ماوا ہے تو
دیکھتے تیرے ہوے مجھ سے گناہ   اور اس پر بھی کرم فرما ہے تو
ہر جگہ موجود نصرت کو مری   ہر گھڑی میری خبر لیتا ہے تو
تجھ سے میں کیونکر چھپاؤں اپنے عیب   رازِ پنہاں جاننے والا ہے تو
تو ہی میرے دل کا ہے صبر و قرار   نور بن کر آنکھ میں رہتا ہے تو
دلبروں میں دل رُبائی کی ادا   اور سرِ عشاق میں سودا ہے تو
رنگ و بوئے گل میں ہے تو جلوہ گر   نالہائے بلبلِ شیدا ہے تو
جلتے ہیں پروانے تیری آگ میں   شمعِ شب افروز کا جلوا ہے تو
تو کرم تو لطف تو مہر و وفا   کیا بتاؤں جانِ من کیا کیا ہے تو
آتشِ نمرود میں دیکھا تجھے   نور بن کر طور پر چمکا ہے تو
میری آنکھوں میں ہے تیری روشنی   میرے دل میں حسن کا جلوا ہے تو
میرے ہر انداز میں تیری ادا   میری ہر آواز میں گویا ہے تو
اپنی صورت پر مجھے پیدا کیا   یعنی میں تیرا ہوں اور میرا ہے تو
مجھ میں ہیں سب تیرے جلوے آشکار   میں تری صورت مرا نقشا ہے تو

کیا کلیسہ کیسا کعبہ کس کا دَیر
ڈھونڈھنے پر ہر جگہ ملتا ہے تو
میں ہی تیری دید کے قابل نہیں
میری ہی آنکھوں سے پوشیدہ ہے تو
چشمِ بینا سے کوئی دیکھے تجھے
ذرّہ ذرّہ میں نظر آتا ہے تو
دردِ دل ہے یا دوائے دردِ دل
آپ ہی مجھ کو بتا دے کیا ہے تو
تجھ سے مطلب ہے مجھے دارین میں
دین ہے میرا مری دنیا ہے تو
مجھ کو تجھ سے اتنی نسبت ہے ضرور
خارِ گلشن میں گلِ رعنا ہے تو
میں ہوں ذرّہ اور تو ہے آفتاب
قطرۂ ناچیز میں دریا ہے تو
میں ہوں اسفل اور اعلیٰ تیری ذات
ظالم و جاہل ہوں میں دانا ہے تو
عشق کے پیکر میں ہوں میں رونما
حُسن کے انداز میں پیدا ہے تو
میں خطاؤ معصیت کا اک پہاڑ
مغفرت کا لُطف کا دریا ہے تو
میں سراپا عیب تو عینِ صواب
میں بہر صورت بُرا اچھا ہے تو

گوشہ گوشہ میں بساطِ دہر کے
مختصر یہ ہے کہ میں ہوں یا ہے تو
خود ہی مجھ کو اپنے قربِ خاص کا
نحن اقرب سے پتہ دیتا ہے تو

تو دوئی لیکن نہیں کرتا پسند
اب یہ حیرت ہے کہ میں ہوں یا ہے تو

دُور کر للہ بے تابی مری
واقفِ حالِ دلِ شیدا ہے تو

کہہ رہے ہم ہی ہم ہیں تجھ میں اے رؤف
اپنی ہستی کا بس اک دھوکا ہے تو

نعت شریف

شہِ دین کا جس گھر میں چرچا نہیں ہے
وہ کچھ ہو محبت کی دنیا نہیں ہے

جہاں شورِ صلِّ علےٰ کا نہیں ہے
وہ اللہ والوں کا جلسہ نہیں ہے

جو تو بات زاہد سمجھتا نہیں ہے
قصور اس میں تیرا ہے میرا نہیں ہے

وہ اللہ کی بندگی کیا کرے گا
جو پہلے محمدؐ کا بندہ نہیں ہے

نہ آئے گا ہرگز نظر حق کا جلوہ
میسّر جو اُن کا وسیلہ نہیں ہے

محمدؐ کا ہر شخص کلمہ پڑھے گا
ابھی اُن کو دنیا نے سمجھا نہیں ہے

وہ ہے بے بصر ناسمجھ کور باطن
جسے اُن کی زلفوں کا سودا نہیں ہے

مثال اُن کی لائے گا کوئی کہاں سے
تنِ ناز کا جن کے سایہ نہیں ہے

میں بندہ ہوں اُن کا وہ آقا ہیں میرے
کوئی اس سے مضبوط رشتہ نہیں ہے،
جسے وہ دکھاتے ہیں عقبیٰ کا منظر
وہ دنیا کے جھگڑوں میں پڑتا نہیں ہے
مراتب محامدِ محاسن نبیؐ کے
ہیں اتنے کہ ان کا ٹھکانا نہیں ہے
نچھاور درودوں کی ہر آن اُن پر
کوئی مشغلہ اس سے اچھا نہیں ہے
ہے اللہ کا حُکم صلّوٗ عَلیہ
یہ قُرآں ہے یوسف زلیخا نہیں ہے
ذرا مردِ مومن کی بھی شان سُن لو
کسی سے اُسے کوئی شکوہ نہیں ہے
وہ کرتا ہے ہر بات منسوب حق سے
یہاں شائبہ تک کبھی اس کا نہیں ہے
ہے آئینۂ دل مجلّٰے مصفّا
تکبّر غرور اس کا شیوہ نہیں ہے
نبیِ مکرم بجز ذاتِ اقدس
سہارا کوئی دینے والا نہیں ہے
گرا جا رہا ہوں دبا جا رہا ہوں
گناہوں کا اب بوجھ اٹھتا نہیں ہے
نظر ہے مِری آپ ہی کے کرم پر
کسی اور پہ میرا تکیہ نہیں ہے
بہت دن ہوئے اشکِ حسرت بہاتے
مگر اب جدائی کا یارا نہیں ہے
سمجھ اے ذوق اُنکے در کے علاوہ
کہیں دردِ دل کا مداوا نہیں ہے

اِسی در پہ جینا اِسی در پہ مرنا
مجھے اور کچھ تجھ سے کہنا نہیں ہے،

نعت شریف

اللہ کے محبوب کی الفت مرا دیں ہے
سنگِ درِ سرکار ہے اور میری جبیں ہے
جو اُن کا ہے وہ وارثِ فردوسِ بریں ہے
جو اُن کا نہیں اُسکی نہ دُنیا ہی نہ دیں ہے
کیا سمجھے کوئی رتبہ والا کی بلندی
اُنکا قدمِ ناز ہے اور عرش بریں ہے
ہے حق کی معیت میں وہ ساعت بھی کہ جسمیں
جبریل کو بھی تابِ رسائی کی نہیں ہے
ظلمت کدۂ دہر میں اک نورِ مجسّم
دکھلاتا ہوا مشعلِ قرآنِ مبیں ہے
مومن کی جگہ خلد ہے کافر کی جہنّم
اعمال ہیں سب کوئی کہیں کوئی کہیں ہے
اے فخرِ رسل آپ کے نذرانہ کے لائق
جز اشک، ندامت کوئی شے پاس نہیں ہے
دل ہے جو ذرا بھی نہ مجلّٰی نہ مصفّا
سجدہ ہوا جس سے وہ سر ہے نہ جبیں ہے
حیراں ہوں کہ تو کون سے قدموں سے چلیگا
اے رہروِ الفت یہ مدینے کی زمیں ہے
سرکارِ رسالت میں ہیں ہر شے کے خزانے
صرف اُن کے یہاں ایک نہیں ہی جو نہیں ہے
قسمت کا لکھا خود ہی ملے گا مجھے آقا
وہ دیجیے جو میرے مقدر میں نہیں ہے
آقا کی کسی شے کو بُرا کہہ دے تو کافر
جو چیز بھی منسوب ہے حضرت سے حسیں ہے
اب اُٹھ کے بس اس در سے کہیں جا نہیں سکتا
جینا بھی یہیں ہے مجھے مرنا بھی یہیں ہے

یہ دیکھ رؤفؔ اِن میں سے کچھ بھی ہے ترے پاس
اخلاص ہے ایثار ہے ایماں ہے یقیں ہے

حُسنِ تغزّل

کتبہ حافظ محمد یونس صدیقی ، مرغوب جمیل رقم امروہوی

۱۹ ۶ ۴۰

گردشِ زمیں اپنی دورِ آسماں اپنا
آپ ہو گئے اپنے ہو گیا جہاں اپنا
آپ شوق سے رکھ دیں میرے حلق پر خنجر
خود مجھے بھی کرنا ہے آج امتحاں اپنا
خویش ہوں کہ بیگانے اِن کو کوئی کیا جانے
سب غرض کے بندے ہیں کون ہی یہاں اپنا
عیش میں تو ہوتے ہیں سیکڑوں کرم فرما
جو شریک ہو غم میں ہے وہ مہرباں اپنا
وصلِ یار ممکن ہے وصلِ یار ممکن ہے
پہلے لوحِ ہستی سے محو کر نشاں اپنا
کیا خبر ہے وہ تجھ سے چند گام آگے ہو
تو ہر ایک سے ناداں نیک رکھ گماں اپنا
ہر گناہ پر مائل حق کی یاد سے غافل
حیف یوں کیا میں نے وقت رائیگاں اپنا
راستے میں سوتے ہو اے رؤف یہ غفلت
ڈھونڈھنے کو نکلے تھے تم تو کارواں اپنا

آہ میں کیا اثر نہیں آتا
آہ کرنا مگر نہیں آتا

رازداری اگر نہیں آتی
کچھ تجھے چشم تر نہیں آتا

اک نظر جس کو تم نے دیکھ لیا
ہوش اُسے عمر بھر نہیں آتا
خاک ہی اُن کے در کی بن جاؤں
مجھ سے یہ بھی مگر نہیں آتا

یاد جب بھی تمہاری آتی ہے
ہوش دو دو پہر نہیں آتا
ہائے کیسی جگہ ہے ملکِ عدم
جو گیا لوٹ کر نہیں آتا
ایسی بدلی ہوا زمانے کی
کوئی اپنا نظر نہیں آتا
شرم رکھنا رؤف کی مولیٰ
اس سے کوئی ہنر نہیں آتا

ادا کا ناز کا غمزے کا شوخی کا شرارت کا
ہوا ہے ایک دل کو سامنا کس کس قیامت کا

تم آ جاؤ سنور جائے چلے جاؤ بگڑ جائے
تمھارے بس میں ہے بننا بگڑنا میری قسمت کا

نقاب اپنا اٹھا کر عرصۂ محشر میں چہرہ سے
ذرا تم امتحاں کرنا تو خورشیدِ قیامت کا

اسی کی روشنی میں منزلِ مقصد پہ جا پہنچوں
چراغِ راہ بن جائے الٰہی داغ حسرت کا

یہاں ہیں سیکڑوں مذہب قیامت ہے جدا سب کی
خدا جانے وہ وعدہ کر گئے ہیں کس قیامت کا

تصوّر ان کے چہرہ کا یہ کہہ کر ہو گیا رخصت
بہت ڈھونڈھو گے پاؤ گے نہ لیکن میری صورت کا

سُنا ہے حشر کے میدان میں سارے حسیں ہونگے
الٰہی ہم بھی دیکھیں گے تماشا تیری قدرت کا

تہیدستِ عمل ہیں لاج رکھ لینا قیامت میں
گنہگاروں کو مولیٰ آسرا ہے تیری رحمت کا

رؤفؔ اتنی پریشانی نہ ہونی چاہیئے ہرگز
ہمیشہ سے جہاں میں ساتھ ہے تکلیف و راحت کا

نہ تھا جب عشق یہ ساماں کہاں تھا
غمِ دل تھا نہ یہ آزارِ جاں تھا
کیے بیٹھے رہے گھونگٹ وہ جب تک
نہ غمزے تھے نہ یہ نازِ بتاں تھا
ہمارے عشق کے بھی تذکرے تھے
تمھارے حسن کا چرچا جہاں تھا
صنم خانے میں بُت میں بُت شکن میں
جہاں دیکھا ترا سِکّہ رواں تھا
رہا مجھ میں مگر آنکھوں سے پنہاں
کِدھر تھا کِس طرف تھا تو کہاں تھا
وہاں زاغ و زغن کی سلطنت ہے
جہاں بلبل ہمارا آشیاں تھا
لحد کو کر دیا پامال تم نے
یہی اک مرنے والا کا نشاں تھا
نہ آئے تم اگرچہ جانتے تھے
کہ میں کوئی گھڑی کا میہماں تھا
تمھاری بزم میں اے شاہِ خوباں
جو چپ تھا وہ رؤفِ بے زباں تھا

خوگر ہوں میں تو، ہجر کے صدمے اُٹھاؤں گا
تم کیا کرو گے جب میں تمھیں یاد آؤں گا
نالہ تو کیا زبان پر اُف تک نہ لاؤں گا
جیسے بھی ہوگا رازِ محبت چھپاؤں گا
اشکوں کا چشمِ زار سے دریا بہاؤں گا
اس طرح اپنے دل کی لگی کو بجھاؤں گا
جب تک تجھے نہ دیکھوں گا اے جانِ آرزو
دل کو ترے خیال سے بہلائے جاؤں گا
ذرّہ میں آفتاب میں انجم میں ماہ میں
جس روپ میں بھی آؤ گے پہچان جاؤں گا
مِل جاؤ وقتِ نزع وہ ساعت قریب ہے
جب تم مجھے بلاؤ گے اور مَیں نہ آؤں گا
کر دوں گا بے قرار میں دنیائے حُسن کو
جس وقت اپنا سازِ محبت بجاؤں گا
غیروں سے اے خیالِ رُخِ یار کیا امید
آ میری جان میں ترے قربان جاؤں گا
عالم کے ذرّہ ذرّہ سے ہوں گے وہ آشکار
اس طرح اُن کے رُخ سے میں پردہ اُٹھاؤں گا
ہر شرط ماننے سے تو مجبور ہوں رؤف
جو ماننے کی ہوگی اُسے مان جاؤں گا

اگر کوئی نالہ رسا ہو گیا
تو ہم سے نہ کہنا یہ کیا ہو گیا
مجھے قتل کر کے پشیماں نہ ہو
چلو خیر جو ہو گیا ہو گیا
تجھے خواب تک میں نہ دیکھا کبھی
زمانہ ترا مبتلا ہو گیا
وہ بیٹھے تو فتنے دبے سیکڑوں
وہ اُٹھے تو محشر بپا ہو گیا
کسی کی اگر چشمِ تر دیکھ لی
تو زخمِ جگر پھر ہرا ہو گیا
صفائی سے دل کی یہ حالت ہوئی
کہ آئینۂ حق نما ہو گیا
کمی دردِ دل میں نہ آئی کبھی
جہاں داغ تھا آبلا ہو گیا
فنا ہو کے الفت میں زندہ ہوئے
یہ وہ درد تھا جو دوا ہو گیا
تجھے ہم کبھی خوش نہیں دیکھتے
رؤفِ حزیں تجھ کو کیا ہو گیا

جس طرف جس راہ سے اُن کا گذر ہونے لگا
ذرّہ ذرّہ غیرتِ شمس و قمر ہونے لگا
آشیانے پر ہمارے بجلیاں گِرنے لگیں
جب ذرا نخلِ تمنا بارور ہونے لگا
پوچھتے کیا ہو، مِری بیماریٔ غم کا سبب
تم کرم کرنے لگے دردِ جگر ہونے لگا
آہ سے مظلوم کی پرہیز کرنا چاہیئے
اب نہیں کوئی اثر لیکن اگر ہونے لگا
لیجئے مجھ کو پسینے موت کے آنے لگے
قصّۂ دردِ محبت مختصر ہونے لگا
جب کسی پر خشم آلودہ نگاہیں پڑ گئیں
اُس کی آنکھوں میں جہاں زیروزبر ہونے لگا
وہ حسیں بے انتہا نازک طبیعت ہے، رؤفؔ
ہائے کیا ہوگا جو نالوں میں اثر ہونے لگا

اس طرف کو بھی کوئی دور ہو پیمانے کا
بول بالا رہے ساقی ترے میخانے کا
وصل کی تاب نہ یارائے غمِ مہجوری
کچھ عجب حال ہے اُس شمع کے پروانے کا
کِس کا غم ہے کہ حنا خون ہوئی جاتی ہے
کِس کا سودا ہے کہ صد چاک ہے دل شانے کا
ذکرِ فرہاد ہے تشہیرِ محبت میری
قصۂ قیس ہے چرچا مرے افسانے کا
لوگ کہتے ہیں کہ رخسار پہ تِل ہے اُن کے
میں تو کہتا ہوں کہ دل ہے کسی دیوانے کا
جا کسی اور کی اب سمع خراشی کرنا
مَیں نہیں ناصحِ ناداں ترے سمجھانے کا
کیا بتاؤں میں تمھیں گورِ غریباں کیا ہے
شہر کا شہر ہے ویرانہ ہے ویرانے کا
تم کو معلوم نہیں کچھ غمِ الفت کے مزے
سچ اگر پوچھو تو بس ہے یہی غم کھانے کا
جانتا ہوں تمھیں جس مے کی تمنا ہے رؤف
ظرف بھی چاہیئے لیکن اُسی پیمانے کا

اگر میرا فسانہ سُن پائیے گا
تو بے ساختہ اشک بھر لائیے گا

کہاں آپ سے ضبط کی تاب ہوگی
مِرا حال سُن کر تڑپ جائیے گا
کچھ ایسی ہے دلچسپ میری کہانی
سُنے جائیے گا سُنے جائیے گا
اسی وقت ہو جائے گا حشر برپا
نقاب اپنے رُخ سے نہ سرکائیے گا
اگر اب بھی بیمارِ غم کو نہ پوچھا
تو پھر عمر بھر جی میں پچھتائیے گا
خبر میرے مرنے کی جس وقت ہوگی
تو بس ہاتھ مَل کر ہی رہ جائیے گا
اگر بعد مرنے کے تشریف لائے
مِری روح کو اور تڑپائیے گا
نہ معلوم کیا واقعہ پیش آئے
لحد پر نہ تکلیف فرمائیے گا
اسی وقت جانے پر اصرار کیوں ہے
چلے جائیے گا چلے جائیے گا

زمانے سے ہو گی ملاقات لیکن
رؤفِ حزیں کو کہاں پائیے گا

کیا بتاؤں چارہ گر تجھ کو مجھے کیا ہوگیا
چوٹ لگ کر جگر میں درد پیدا ہوگیا

درد مندِ ہجر کو آخر قضا آ ہی گئی
لے مسیحا اب ترا بیمار اچھا ہوگیا

آگئے اب وہ تو گویا ایک بھی حسرت نہ تھی
اے مری بے تابیٔ دل اب تجھے کیا ہوگیا

میرے بننے میں بھلا میرا بھی کوئی دخل تھا
آپ نے جیسا بنایا مجھ کو ویسا ہوگیا

اُٹھ خدا کے واسطے کر ختم یہ غفلت کی نیند
سونے والے اب تو پانی سر سے اونچا ہوگیا

دفعتاً جب تجھ کو آ جائے گا پیغامِ اجل
تب کہے گا ہائے کیا ہونا تھا اور کیا ہوگیا

دیکھ تو لیتے کبھی آ کر مریضِ ہجر کو
پوچھ تو لیتے کہ یہ کیا حال تیرا ہوگیا

ہائے وہ بھولے سے بھی لیتا نہیں میری خبر
جس کی خاطر میں زمانے بھر میں رسوا ہوگیا

عمر بھر تو خوابِ غفلت میں رہے سوتے رؤفؔ
اب کھلیں آنکھیں تو کہتے ہو کہ یہ کیا ہوگیا

صبا کی بات کا کیا اے دل اعتبار کیا
تو اپنی راہ بھی لے کِس کا انتظار کیا
وفا نہ کی نہ کریں گے کبھی کسی سے یہ گل
جگر کا خون بھی بُلبُل اگر ہزار کیا
چمن کا ذکر تو سب کچھ سُنایا اُس گل کو
صبا نے عرض ہمارا بھی حالِ زار کیا
ہم اپنی موت مرے تم نے کچھ کیا ہی نہیں
نہ تم نے تیغ اُٹھائی نہ تم نے وار کیا
صبا ہے خاک بسر بلبل و رؤفؔ حزیں
ہر اک کو یاد نے اُس گل کی دلفگار کیا

لگ گیا انبار اب تو کشتگانِ ناز کا
اور موقع کونسا ہوگا ترے اعجاز کا
لُٹ گئی ساری کمائی حُسن کے بازار میں
ہائے دل پر چل گیا جادو نِگاہِ ناز کا
دیکھنے والے بھی مُدّت تک مزے لیتے رہے
دیر تک تڑپا کیا لاشہ قتیلِ ناز کا
مِل نہ جائے خاک میں سب آبرو اے چشمِ تر
اُٹھ نہ جائے دیکھنا پردہ کہیں اس راز کا
جب کوئی آواز آتی ہے مریضِ ہجر کو
اُس کو ہوجاتا ہے دھوکا آپ کی آواز کا
زینتِ بزمِ جہاں سب خاک میں مِل جائیگی
اے حقیقت کوئی محرم ہو نہ تیرے راز کا
جان پر بنتی ہے یہ انجام ہوتا ہے رؤفؔ
زخم ہوتا ہی نہیں اچھا خدنگِ ناز کا

محرم راز نہ تھا واقفِ اسرار نہ تھا
جو غلام آپ کے در کا مرے سرکار نہ تھا

گلۂ یار نہ تھا شکوۂ اغیار نہ تھا
اپنی تقدیر تھی کوئی بھی خطاوار نہ تھا
ہائے وہ آنکھ جو غم سے کبھی گریاں نہ ہوئی
ہائے وہ دل کہ جو لذت کشِ آزار نہ تھا
تم کو جب تک نہیں دیکھا تھا ہزاروں غم تھے
جب تمھیں دیکھ لیا ایک بھی آزار نہ تھا
حالِ دل پوچھ لیا تھام کے دامن مجھ سے
تیرے گلشن کا کوئی خار بھی بے کار نہ تھا
آخرش ہو کے رہا وہ سگِ دنیا کا شکار
جو ترے دامِ محبت میں گرفتار نہ تھا

آپ کا نام تو تھا تا دمِ آخر لب پر
کون کہتا ہے ذوقؔ آپ کا بیمار نہ تھا

اب تو کچھ چاہیئے اس دل کا مداوا کرنا
آپ کے ہاتھ میں ہے مارنا زندا کرنا
ہاتھ اور پاؤں سُنا ہے کہ گواہی دینگے
ہائے کِس چیز پہ دُنیا کی بھروسا کرنا
اشکِ حسرت مری تقدیر میں لِکھ کر بولے
زندگی بھر اِنھیں دانوں پہ گزارا کرنا
مجھ میں طاقت ہے تڑپنے کی کہاں او قاتل
تیرے قربان کہیں وار نہ اوچھا کرنا
نقدِ جاں مفت ہی جائے دلِ نادان کہیں
زلف رہزن ہے ذرا دیکھ کے سودا کرنا
زندگی بھر وہ کیئے جائیں جفائیں ہم پر
شیوۂ اہلِ محبت نہیں شکوا کرنا
خوابِ غفلت سے خدا کے لئے اب چونک رؤف
حشر تک قبر میں پھر چین سے سویا کرنا

یہ سر تری چوکھٹ سے جدا ہو نہیں سکتا
بندے کا کوئی اور خدا ہو نہیں سکتا

ہاتھوں میں لہو ہے کسی مقتولِ جفا کا
کیا کہتے ہو یہ رنگِ حنا ہو نہیں سکتا
کیسے کہوں قاصد ہے یہ تحریر اُنھیں کی
ایسا تو مقدر کا لِکھا ہو نہیں سکتا
تم چاہ میں پڑتے تو سمجھتے کہ یہ عاشق
صبر آپ سے کرتے نہیں یا ہو نہیں سکتا
جب آپ ہی غیروں کے طرف دار بنیں گے
پھر کیا نہیں کر سکتے وہ کیا ہو نہیں سکتا
کیا موت کا آنا بھی ذوقؔ اپنی شبِ غم
وعدہ ہے کسی کا جو وفا ہو نہیں سکتا

گل پریشاں شمع گریاں سوختہ پروانہ تھا
کون تھا جس کو تمھاری زلف کا سودا نہ تھا

ہائے نکلا ہی نہ کچھ میرے لبِ خاموش سے
ورنہ اُس سرکار میں اے حسرتِ دل کیا نہ تھا

داستانیں سیکڑوں عشّاق کی ہم نے سُنیں،
غور سے دیکھا تو تیرے حسن کا افسانہ تھا

چشمِ ظاہر کو نظر آئے وہاں صدہا حجاب
چشمِ باطن نے جو دیکھا ایک بھی پردا نہ تھا

ہائے کل بزمِ طرب میں اُس سراپا ناز کی
سب تھے لیکن اک رؤفِ بادیہ پیمانہ تھا

عالم مری نگاہ میں ہے حُسنِ یار کا
نقشہ کِھنچا ہوا ہے نظر میں بہار کا

فرصت ہو کیوں تصوّرِ جاناں سے جیتے جی
کیا اعتبار زندگیٔ مستعار کا

تو ہی تو زندگی ہے مری اے خیالِ یار
تو ہی تو ہے قرار دلِ بے قرار کا

کیسی ادا شناس نظر ہے مری جسے
ہر شے پہ یہ گمان کہ جلوہ ہے یار کا

دیکھو تو کس قدر مری مٹی خراب ہے
تم اختیار کے ہو نہ دل اختیار کا

دنیا بُرا کہے تو کہے جائے شوق سے
کرنا طواف مجھ کو مگر کوئے یار کا

اچھا تھا یا بُرا کوئی کچھ بھی کہے مگر
تھا آدمی دوقؔ بڑے اعتبار کا

اِسی شان سے مٹاتے مجھے تھا اگر مِٹانا
مگر آپ سُن تو لیتے مِرا غم بھرا فسانا
یہ نہیں مجال میری کہ زباں سے آہ کر لوں
مگر آپ کو روا ہے مِرا خوں تک بہانا
تِری شوخیِ تبسم مری عقل کو کرے گم
مِرے ہوش تیرے صدقے ذرا پھر تو مسکرانا
تھے وہ مہربان مجھ پر تو جہان مہرباں تھا
جو نگاہ اُن کی بدلی تو بدل گیا زمانا
تم اُٹھا دو اپنے در سے مگر اتنا غور کر کے
کہ ہم ایسے بیکسوں کا کہیں اور ہے ٹھکانا
میں جدھر نظر اٹھاؤں تمھیں مستِ ناز پاؤں
میں جہاں کبھی سر جھکاؤں ہو تمھارا آستانا
ہوں تمھارے در کا سائل ہو مری مراد حاصل
رہے حشر تک مبارک تمھیں تاجِ خسروانا
تِرا جور او ستمگر نہ ہو غیر کا مقدّر
ترے ناوکِ ادا کا ہو دُوف ہی نشانا

یہ مانتا ہوں آپ سے آیا نہ جا سکا
سچ کہئے کیا مجھے کبھی بلایا نہ جا سکا

الفت کا داغ دل سے مٹایا نہ جا سکا
ہم سے تو یہ چراغ بجھایا نہ جا سکا
اُف آستانِ یار کی بے کس نوازیاں
سر رکھ کے سنگِ در پہ اُٹھایا نہ جا سکا
آتے ہی یاد آپ کی آنسو نکل پڑے
آنکھوں سے رازِ عشق چھپایا نہ جا سکا
اغیار پر تو لطف کی بارش رہی سدا
اور مجھ کو خاک میں بھی ملایا نہ جا سکا
رخصت ابھی ہوا ہے جہاں سے مریضِ غم
کچھ دیر پہلے آپ سے آیا نہ جا سکا
پیچھے تو ہو رہی تھیں ہزاروں شکایتیں
وہ آگئے تو لب بھی ہلایا نہ جا سکا
مرنے دیا مریضِ محبت کو ہجر میں
تم سے نقابِ رخ بھی اٹھایا نہ جا سکا
بالیں سے آپ اُٹھ کے چلے تو گئے مگر
پھر ہوش میں مریض کو لایا نہ جا سکا

مجھ کو دعوئ نازِ امانت نہیں مگر
یہ بارِ آسماں سے اُٹھایا نہ جا سکا

ہر شے کو اپنے نور سے معمور کر دیا
عالم کو تم نے جلوہ گہِ طور کر دیا
دنیا میں پہلے تم کو بھلا جانتا تھا کون
کچھ ہم سے مرنے والوں نے مشہور کر دیا
ساقی کی چشمِ مست کے قربان جائیے
دیکھا تھا اِک نگاہ کہ مخمور کر دیا
فرقت کا پہلے دل میں جو ہلکا سا داغ تھا
رو رو کے چشمِ زار نے ناسور کر دیا
دل میں سمائے اور نظر سے نہاں ہوئے
اتنا قریب کر کے مجھے دُور کر دیا
لاتا نہیں ہوں میں بھی نظر میں کسی کو اب
مجھ کو بھی حُسنِ یار نے مغرور کر دیا
کچھ تو رؤف خود ہی اُنھیں رحم آگیا
کچھ میرے حالِ زار نے مجبور کر دیا

داغِ جگر کو شمعِ شبستاں بنا دیا
اللہ تو نے درد کو درماں بنا دیا
پہلے تو مجھ کو خلق کیا مشتِ خاک سے
پھر یہ کرم کیا کہ مسلماں بنا دیا
پھر اے کریم ترے کرم کی یہ حد ہوئی
اپنے نبی کا مجھ کو ثناخواں بنا دیا

کافر کے دل کو دولتِ دنیا کی چاہ دی
مومن کے دل کو منزلِ جاناں بنا دیا
کس مصلحت کے پیشِ نظر کس کو علم ہے
کافر کوئی کسی کو مسلماں بنا دیا
کافر کے واسطے یہی دنیا بنی بہشت
مومن کے واسطے اِسے زنداں بنا دیا

زاہد کو اپنے فضل سے توفیقِ زہد دی
اور مجھ کو ننگِ محفلِ رنداں بنا دیا
کس کو مجالِ چون و چرا تیرے سامنے
جیسا بھی جس کو چاہا مری جاں بنا دیا
کچھ دن ہوا کھلا کے ذوقؔ اِس جہان کی

سب کا مقام گورِ غریباں بنا دیا

نکلنے کو ہے جانِ ناتواں اب
ارادہ کیا ہے اے جانِ جہاں اب
تمہارے در پہ مِٹنے کی ٹھنی ہے
یہ سر ہے اور سنگِ آستاں اب
تم اپنے تھے تو سب اپنے تھے گویا
زمیں وہ ہے نہ ہے وہ آسماں اب
مچی تھی دھوم جن کی سلطنت کی
کہیں ملتا نہیں اُن کا نشاں اب
ہَوا ہر سُو مخالف چل رہی ہے
کہاں لے جاؤں اپنا آشیاں اب
جہاں کچھ دن ہوئے آبادیاں تھیں
نظر آتے ہیں ویرانے وہاں اب
رؤفؔ اب کوئی دم کا میہماں ہے
خبر لے اے مسیحائے زماں اب

اب چُپ ہیں سب مساعیِ لا انتہا کے بعد
باقی ہے بس دعا کا سہارا دوا کے بعد
پوچھا تھا تجھ سے حق نے اَلَستُ بربّکم
ظالم یہ سرکشی تری قولِ بلےٰ کے بعد
ہوتی نہیں وہ بات کبھی عمر بھر نصیب
پھر کچھ بھی کیجئے سخنِ ناسزا کے بعد

جو مانگنا ہو اے دلِ بے تاب مانگ لے
ہے سُننے والا اور بھی کوئی خدا کے بعد
تو نے سُنا نہیں وہ غفور الرحیم ہے
توبہ تو صدق دل سے ہو فوراً خطا کے بعد
چون وچرا کا اب کوئی موقع نہیں رہا
لب بند ہو گئے مرے عہدِ وفا کے بعد

عیش ونشاط راحت وآرام وصل دوست
یہ منزلیں ہیں منزلِ صبر ورضا کے بعد
لالہ ہے گل ہے شمعِ شب افروز ہے مگر
ہیں سب یہ میرے شاہدِ شیریں ادا کے بعد
ہیں ٹھوکریں بہت رہِ الفت میں اے ذوقؔ
لیکن سکون ہے مشکلِ صبر آزما کے بعد

صحنِ گلشن سے اُٹھا جس وقت سامانِ بہار
دل ہی دل میں رہ گیا افسوس ارمانِ بہار
اس قدر تو فصلِ گل میں پھولنا اچھا نہیں
ہے خزاں بھی یاد اے گلہائے خندانِ بہار
جان و دل قربان ہوں تیرے خرامِ ناز پر
اور بھی دو گام اے سروِ خرامانِ بہار
جب نظر آیا ترا رُخ ہو گیا دل باغ باغ
فصلِ گل ہے ایک تیرے دم سے اے جانِ بہار
سونے والے خوابِ غفلت سے نہ چونکے عمر بھر
اور بجھ کر رہ گئی شمعِ شبستانِ بہار
خوابِ غفلت سے رؤف افسوس کب آنکھیں کھلیں
مِل گیا جب خاک میں سب ساز و سامانِ بہار

لطف تو جب ہے عشق کا اے غمِ جاں نواز عشق
تیغ بدست ناز ہو سر بکف نیاز عشق

کیسا قیام کیا قعود کیسا رکوع کیا سجُود
محوِ جمالِ یار ہوں بس ہے یہی نماز عشق

لب پہ فغاں ہے چشم تر ہوتی ہے عمر یوں بسر
تو ہی بتا دے فتنہ گر کیسے چھپاؤں رازِ عشق

آتشِ غم سے کیوں جلے اپنی زباں سے کیا کہیں
شمعِ سحر سے پوچھئے لذتِ سوز و سازِ عشق

تارِ نفس چھڑ گئی راگنی سوز و ساز کی
آگ لگا کے چل دیا آپ تو نے نوازِ عشق

خستہ جگر گیا ذوقؔ خاک بسر گیا ذوقؔ
ہجر میں مر گیا ذوقؔ آپ کا پاک بازِ عشق

اس طرح نقاب اُٹھے رُخ سے یوں پیش کروں نذرانۂ دل
وہ شمعِ جمال نظر آئے اور صدقے ہو پروانۂ دل

وہ خوگرِ جور و جفا پیشہ ہر چند رہا بیگانۂ دل
بہنے لگے آنکھوں سے آنسو جس وقت سُنا افسانۂ دل

طوفانِ حوادث کا اُٹھنا اور خرمنِ ہستی کا لُٹنا،
اُس روز ہی بجلی کیوں نہ گری جس روز اُگا تھا دانۂ دل

ہر ساقی کو دیکھا بھرتے ساغر پیمانے اور شیشے
میرا ساقی اللہ رکھے بھر دیتا ہے پیمانۂ دل

تم آئے دن سا نکل آیا جانے لگے اندھیرا چھایا
پھر اپنے کرم سے آجاؤ پھر روشن ہو کاشانۂ دل

پھر اشک قیامت ڈھائیں گے سب زخم ہرے ہو جائینگے
خاموش رہو کیا کرتے ہو چھیڑو نہ رؤفؔ افسانۂ دل

اس طرح نقاب اُٹھے رُخ سے یوں پیش کروں نذرانۂ دل
وہ شمعِ جمال نظر آئے اور صدقے ہو پروانۂ دل
وہ خوگرِ جور و جفا پیشہ ہر چند رہا بیگانۂ دل
بہنے لگے آنکھوں سے آنسو جس وقت سُنا افسانۂ دل
طوفانِ حوادث کا اُٹھنا اور خرمنِ ہستی کا لُٹنا،
اُس روز ہی بجلی کیوں نہ گری جس روز اُگا تھا دانۂ دل
ہر ساقی کو دیکھا بھرتے ساغر پیمانے اور شیشے
میرا ساقی اللہ رکھے بھر دیتا ہے پیمانۂ دل
تم آئے دن سا نکل آیا جانے لگے اندھیرا چھایا
پھر اپنے کرم سے آجاؤ پھر روشن ہو کاشانۂ دل
پھر اشک قیامت ڈھائیں گے سب زخم ہرے ہو جائینگے
خاموش رہو کیا کرتے ہو چھیڑو نہ ذوقؔ افسانۂ دل

تری راہ میں نقشِ پا ہو گئے ہم
خدا کی قسم رہنما ہو گئے ہم
ذرا آ کے اک روز دیکھا تو ہوتا
تمھاری محبت میں کیا ہو گئے ہم

وہ دیں یا نہ دیں بھیک اُن کی خوشی ہے
مگر اب تو اُن کے گدا ہو گئے ہم
رہے آپ ہی جب نہ پردے میں مخفی
تو بدنام کیوں جابجا ہو گئے ہم

اُدھر دامِ گیسو میں پھنسنا ہمارا
اِدھر قیدِ غم سے رہا ہو گئے ہم
مرے دردِ دل پر ترس کھا کے کہہ دو
رؤفؔ اب تمھاری دوا ہو گئے ہم

آپ کے در سے اگر جائیں گے ہم
آپ دیکھیں گے کہ مَر جائیں گے ہم
جس طرف کو بھی گذر جائیں گے ہم
بانٹتے دردِ جگر جائیں گے ہم
ہائے کب چھوڑا ہمیں صیّاد نے
اب کہاں بے بال وپر جائیں گے ہم
مہر سے دیکھو گے جان آجائے گی
قہر سے دیکھو گے مَر جائیں گے ہم
اے صبا پہنچا ہمارا بھی پیام
تیرے صدقے عمر بھر جائیں گے ہم
دیکھئے تنہا نہ چھوڑے جائیے
آپ کی فرقت میں مَر جائیں گے ہم
عاشقوں کو کفر کیا اسلام کیا
تم جدھر ہو گے اُدھر جائیں گے ہم
آپ آتے ہی رہیں گے دیکھنا
اور سفر دنیا سے کر جائیں گے ہم
کیسے تڑپو گے وہ کہتے ہیں ذوقؔ
یہ تماشا دیکھ کر جائیں گے ہم

وعدہ کر کے جو کوئی چال وہ چل جاتے ہیں
سب ارادے دلِ مضطر کے بدل جاتے ہیں
شمع بیتابیٔ دل دیکھ تو پروانوں کی
بس جو چلتا نہیں کچھ اور تو جل جاتے ہیں
دیکھ لیتے ہیں جو تصویر مسیحا تیری
مَرتے مَرتے ترے بیمار سنبھل جاتے ہیں
جو بھی آتا ہے زباں پر وہ سُناتے ہیں مجھے
جب بھی آتے ہیں وہ کچھ لعل اُگل جاتے ہیں
چین سے بیٹھنے دیتے نہیں دم بھر وہ مجھے
دل میں آ کے کلیجہ مرا مَل جاتے ہیں
آپ کو یاد رہے بات ہی رہ جاتی ہے
اور مصیبت کے بُرے دن تو نکل جاتے ہیں
جانتے ہیں کہ ہے کیا چیز غریب الوطنی
بس وہی پھول جو گلشن سے نکل جاتے ہیں
ناامیدی کا اثر کس لئے لیتے ہو رؤفؔ
نخل سوکھے ہوئے تقدیر سے پھل جاتے ہیں

جادو ہے کونسا نگہہِ مستِ یار میں
جو ہے بندھا ہوا ہے اِسی ایک تار میں

دستِ قضا سے جامۂ ہستی اُتر چکا
رشتہ کسی کی چاہ کا ہے تار تار میں

میری لحد کو شوق سے پامال کیجئے
یہ آرزو بھی دفن ہوئی ہے مزار میں

ہم سے تو سیکڑوں ہوئے اُس گل پہ شیفتہ
اُس سا تو ایک بھی نہیں بلبل ہزار میں

کیا آرزو ہے ہوش میں آؤ ذرا رؤف
نام و نمود زندگیٔ مستعار میں

لے کے دل درد دیئے جاتے ہیں
وہ یہ اندھیر کئے جاتے ہیں
کیا خبر تھی تپِ ہجراں کے مریض
اس طرح چھوڑ دیئے جاتے ہیں
وہ نہ آئیں گے نہ آئے ہیں کبھی
صرف وعدے ہی کئے جاتے ہیں
مر گئے ہوتے کبھی کے ہم تو
تیرے وعدے پہ جئے جاتے ہیں
آسماں رنج دیئے جاتا ہے
اور ہم صبر کئے جاتے ہیں
رہِ الفت کے مسافر اکثر
راہ میں لوٹ لئے جاتے ہیں
جن میں خوبی نہیں ہوتی کوئی
نظر انداز کئے جاتے ہیں
زہرِ غم پہلے بھرا جاتا ہے
زخم جب دل کے سِئے جاتے ہیں
کیسے کرتے ہو رفو زخموں پر
پہلے ٹانکے بھی چھئے جاتے ہیں
محتسب کا ہمیں کیا ڈر ساقی
تو پلاتا ہے پیئے جاتے ہیں
نئی صورت ہے یہ تڑپانے کی
اپنی تصویر دیئے جاتے ہیں
مار کر نشترِ فرقت دل پر
بولے یوں زخم سِئے جاتے ہیں
جس کا دنیا میں نہیں کوئی علاج
آپ وہ درد دیئے جاتے ہیں
کہہ نہیں سکتا مِرے پہلو سے
آپ کیا چیز لئے جاتے ہیں
جن کو مِلتی ہے حقیقت کی خبر
اُن کے لب پہلے سِئے جاتے ہیں
اے دل آلام و مصائب سے نہ ڈر
یہ سبق ہیں جو دیئے جاتے ہیں
ایک ہم ہیں کہ نہیں تلچھٹ بھی
ایک وہ ہیں جو پیئے جاتے ہیں

اپنے ہاتھوں سے محبت میں ذوقؔ
زہر کے جام پیئے جاتے ہیں

غیر کو شاد کئے جاتے ہیں — مجھ پہ بیداد کئے جاتے ہیں
زندگی میں تو کبھی بات نہ کی — اب وہ کیوں یاد کئے جاتے ہیں
دل کی اُجڑی ہوئی منزل ہے جسے — آپ برباد کئے جاتے ہیں
تم ہمیں یاد کرو یا نہ کرو — ہم تمھیں یاد کئے جاتے ہیں
دیکھئے در پہ مریضانِ فراق — کب سے فریاد کئے جاتے ہیں
آپ کی ایک نظر کو ہم تو — آج تک یاد کئے جاتے ہیں
نہ تو بِکتے ہیں محبت کے غلام — نہ یہ آزاد کئے جاتے ہیں
اور کچھ ہو نہیں سکتا ہم سے — آپ کو یاد کئے جاتے ہیں
ہم سے در پردہ فلک کی دن رات — آپ امداد کئے جاتے ہیں
اُن کی مرضی ہے سنیں یا نہ سنیں — ہم تو فریاد کئے جاتے ہیں
ہم تڑپتے ہیں جدائی میں اِدھر — وہ اُدھر یاد گئے جاتے ہیں
اپنے بدلے قفسِ جسم کو ہم — نذرِ صیاد کئے جاتے ہیں
بیٹھے بیٹھے وہ نئے طرزِ ستم — روز ایجاد کئے جاتے ہیں

تم ہی بھولے ہوئے ہو اُن کو رؤفؔ
وہ تمھیں یاد کئے جاتے ہیں

کھایا جو داغ اس مہِ خوبی کی چاہ میں
روشن ہوا چراغ محبت کی راہ میں
چنگاریاں نکلنے لگیں دودِ آہ میں
اب آ گئی چمک مرے بختِ سیاہ میں
کس مہروش نے پردۂ رُخ کو ہٹا دیا
شمعیں خموش ہو گئیں سب بزم گاہ میں

چھوڑا نہ کوئی نام کو ارمان و آرزو
قصہ تمام کر گئے وہ اک نگاہ میں
اے عشق تیرے نام کا سکہ رواں رہے
شاہ و گدا ہیں ایک تری بارگاہ میں
طالع کی کج روی ترے چین جبیں میں ہے
قسمت کی خوبیاں تری سیدھی نگاہ میں

دنیا سے ربط ضبط زیادہ نہ چاہیئے
ے بیٹھتا ہے بار مسافر کو راہ میں
پہلے مثالِ آئینہ دل صاف کیجیے
پھر بت کدے میں بیٹھیے یا خانقاہ میں
مر جائے گا ذوق تو سر پھوڑ پھوڑ کر
اے اہلِ قافلہ اسے چھوڑو نہ راہ میں

ڈھونڈھے گا بعدِ مرگ مجھے نامہ بر کہاں
جب صبح ہو گئی تو چراغِ سحر کہاں

دیر و حرم کی تھیں مری قسمت میں ٹھوکریں
دل کہہ رہا تھا منزلِ جاناں اِدھر کہاں

اے اہلِ کارواں میں غریب الدیار ہوں
جاتے ہو راستہ میں مجھے چھوڑ کر کہاں

ملنا نہ ملنا حضرتِ دل اور بات تھی
اُس مہ جبیں کو آپ نے ڈھونڈھا مگر کہاں

میری تو آرزو ہے کہ جھگڑا مِٹے کہیں
لیکن یہ امر آپ کے مدِ نظر کہاں

برسوں جیئے مگر دمِ آخر یہ حال ہے
مطلق خبر نہیں کہ رہے عمر بھر کہاں

مسجد میں آپ ڈھونڈھنے آئے رؔؤف کو
وہ خانماں خراب ملے گا اِدھر کہاں

میں عشق میں ہوں یکتا تم نازِ دلبری میں
کوئی ہنر کسی میں کوئی ہنر کسی میں

عاشق کو کیا کسی کے اچھے بُرے سے مطلب
جینا تری گلی میں مرنا تری گلی میں

کچھ ایسی دل کشی ہے صورت میں آدمی کی
گویا بنانے والا بیٹھا ہے آدمی میں

ناکامیوں پہ میری اغیار ہنس رہے ہیں
اللہ رہ نہ جائیں ارمان جی کے جی میں

آنے کا ایک دن تھا جانے کا دوسرا دن
سچ پوچھئے تو بس یہ دو دن ہیں زندگی میں

تم ہی ذوقؔ جانو ہے کیا بلا تصنّع
ہم نے تو عمر اپنی کاٹی ہے سادگی میں

ہاں بادِ صبا پھر وہی دلدار کی باتیں
یاد آتی ہیں رہ رہ کے بہت یار کی باتیں
بھرتا ہی نہیں جی کبھی عشاق کا ان سے
کچھ ایسی دل آویز ہیں دل دار کی باتیں
محبوب کی باتوں سے جو اُکتائے وہ کیا دل
بلبل سے کئے جائیے گلزار کی باتیں

کس طرح سے کٹتی ہے شبِ دردِ محبت
بیمار سے پوچھے کوئی بیمار کی باتیں
عشاق کی حسرت کو تمنا کو نہ پوچھو
فرصت کے شب و روز ہوں اور یار کی باتیں
مدت ہوئی اتنی مگر اے رشکِ مسیحا
تم نے نہ سُنیں عشق کے بیمار کی باتیں

ہر وقت زبانوں پہ رہے ذکر تمھارا
گفتار کی باتیں کبھی رفتار کی باتیں
ہو جاتی ہے اُس کو بھی تپِ غم کی شکایت
سُن لیتا ہے جو آپ کے بیمار کی باتیں
دِل نشترِ اُلفت سے ہوا جاتا ہے گھائل
سُن سُن کے ذوقِ جگر افگار کی باتیں

محوِ حیرت بنا گئیں آنکھیں
وہ تماشا دکھا گئیں آنکھیں
راہ آنکھوں میں پا گئیں آنکھیں
دل کے اندر سما گئیں آنکھیں
خانۂ دل کو کر گئیں روشن
شمع الفت جلا گئیں آنکھیں
آج تک ہوش میں نہیں آیا
جانے کیسی پِلا گئیں آنکھیں
نطق اس کے بیاں سے قاصر ہے
کیا کہوں کیا دِکھا گئیں آنکھیں
جامِ الفت سے کر گئیں سرشار
جب تری یاد آ گئیں آنکھیں
جو ہے تیرِ نظر کا زخمی ہے
سب اداؤں پہ چھا گئیں آنکھیں
کیا شکایت کروں کسی سے رؤف
مجھ کو رونا سِکھا گئیں آنکھیں

آپ کی راہِ محبت میں جو مر جاتا ہوں میں
کہہ نہیں سکتا جو لطفِ زندگی پاتا ہوں میں

آپ کا شکوہ کبھی لب تک نہیں لاتا ہوں میں
بندہ پرور آپ کے سر کی قسم کھاتا ہوں میں

کیا تمھارے آستانے کی گدائی مل گئی
اب نظر میں بادشاہوں کو کہاں لاتا ہوں میں

تم موافق ہو تو اک دنیا ہے سر بر آستاں
تم مخالف ہو تو در در ٹھوکریں کھاتا ہوں میں

آ گیا تھا آپ کی دل بستگی کو بزم میں
آپ اُکتاتے ہیں مجھ سے لیجئے جاتا ہوں میں

دیکھتا ہوں آج اپنے جذبِ الفت کا اثر
وہ مجھے سمجھا رہے ہیں اُن کو سمجھاتا ہوں میں

مجھ کو اتنی بھی خبر اے قافلے والو نہیں
کس طرف سے آ رہا ہوں کس طرف جاتا ہوں میں

جب کسی صورت تری صورت نہیں آتی نظر
ذکر سے تیرے دلِ ناداں کو بہلاتا ہوں میں

اُن کا ملنا اور نہ ملنا دونوں باتیں ایک ہیں
خود کو کھوتا ہوں تو اُن کو جلوہ گر پاتا ہوں میں

اِس کو قسمت کی خرابی ہی تو کہتے ہیں رؤف
کام کرتا ہے کوئی بد نام ہو جاتا ہوں میں

عاشقوں میں درد کی صورت نظر آتا ہوں میں
نازنینوں میں سراپا ناز بن جاتا ہوں میں
میں کہیں رکھتا ہوں اپنے سر پہ تاجِ خسروی
اور کہیں محتاج بن کر ہاتھ پھیلاتا ہوں میں
میں پہن لیتا ہوں گاہے پارسائی کا لباس
اور کہیں اک رند مے آشام بن جاتا ہوں میں
آپ ہی فتویٰ لگا دیتا ہوں کفر و شرک کا
آپ ہی کہہ کر اَنا الحق دار پر آتا ہوں میں
جب گلوں کے عِشق کی وَادی میں رکھتا ہوں قدم
نالہائے عندلیب زار بن جاتا ہوں میں
غنچہ و گل، ماہ و انجم، ذرّہ و مہر، آب و خاک
مختصر یہ ہے کہ ہر ہر شکل میں آتا ہوں میں
میری ہی تصویر کے خاکے ہیں قیس و کوہکن،
اب محبت میں رؤفِ زار کہلاتا ہوں میں

کتابِ عشق میں فہم و خِرد کے باب نہیں
سمجھ سکیں جسے عاقل یہ وہ کتاب نہیں

ہر اک صدا پہ تری او پکارنے والے
میں چَونک اُٹھا کہیں مجھ سے ہی تو خطاب نہیں

کمالِ ذوق بھی ہے انتہائے شوق بھی ہے
یہ سب ہی کچھ ہے مگر دیکھنے کی تاب نہیں

نقابِ رُخ کا کچھ اُن کے نہ کر خیال اے دل
یہ دیکھ تیرے تو رُخ پر کوئی نقاب نہیں

کِسی کے بَس کی نہیں بس یہ عیب ہے ورنہ
شرابِ عشق سے بہتر کوئی شراب نہیں

نمود تک تو اِسے سب حباب کہتے تھے
فنا کے بعد تو دریا ہے پھر حباب نہیں

رؤفؔ پھیر ہیں یہ سب ترے مقدر کے
کِسی کی زلفِ پریشاں میں پیچ و تاب نہیں

وہ ادا گل میں نہیں وہ نازِ سوسن میں نہیں
اب تو کوئی بات بھی پہلی سی گلشن میں نہیں

خار تو جتنے بھی ہو سکتے ہیں سب موجود ہیں
اے گلِ مقصود تو ہی میرے دامن میں نہیں

جس قدر اے آسماں چاہے گرا لے بجلیاں
یاں تو پہلے ہی سے کوئی دانہ خرمن میں نہیں

گل سے اے بلبل تجھے کس چیز کی اُمید ہے
چاکِ دامن سے سمجھ لے خاک دامن میں نہیں

جھانکنے والو پسِ پردہ وہ ہرجائی کہاں
تم اُٹھا کر دیکھ لو سایہ بھی چلمن میں نہیں

پاک دامانی پہ اپنی کیوں نہ مجھ کو ناز ہو
گل نہیں دامن میں کوئی خار دامن میں نہیں

پوچھ لے حالِ دؤفِ زار دامن تھام کر
خار بھی ایسا کوئی قسمت سے گلشن میں نہیں

چُھپنے کو چُھپیں لیکن آخر چُھپ کر بھی رہیں گے کہیں نہ کہیں
جو ڈھونڈھنے والے ہیں اُن کے وہ ڈھونڈھ ہی لینگے کہیں نہ کہیں

کاکل کا الگ زلفوں کا الگ اور گیسوئے مشک فشاں کا الگ
ہیں اتنے دَام تو حضرتِ دل اک روز پھنسینگے کہیں نہ کہیں

اشکوں میں نہیں تو آہوں میں آہوں میں نہیں تو نالوں میں
جَب آتشِ اُلفت بھڑکے گی یہ بھید کھُلیں گے کہیں نہ کہیں

اُٹھ کس تو ذرا ہمت کی کمر اے دل تو اُن کو تلاش تو کر
مسجد میں ملیں یا مندر میں لیکن وہ ملیں گے کہیں نہ کہیں

ہم جس کی ادا پہ مَرتے ہیں دم اُس کے عشق کا بھرتے ہیں
جس شمع کے ہیں ہم پَروانے اُس پر ہی مٹیں گے کہیں نہ کہیں

تو اپنی طلب میں ہو کامل در در پھرنے سے کیا حاصل
بس چاہیئے اک بیتابیٔ دل وہ آپ ملیں گے کہیں نہ کہیں

بیداری میں یا رویا میں اِس دنیا میں یا عقبےٰ میں
قسمت میں ہے تو رؤفؔ اُنھیں ہم دیکھ ہی لیں گے کہیں نہ کہیں

لوگ کیوں سعی عبث کرتے ہیں سمجھانے میں
یہ نہیں جانتے ضد ہوتی ہے دیوانے میں
ساغرِ نرگسِ ساقی میں جو مے دیکھی ہے
وہ نہ خُم میں ہے نہ شیشے میں نہ پیمانے میں
شمع کا کام جلانا ہے کہاں اے ہمدم
اور ہی آگ بھری ہے کوئی پروانے میں
نہ سنو گے مرے ٹوٹے ہوئے دل کی فریاد
کیا نہ آؤ گے اس اُجڑے ہوئے کاشانے میں
جمع ہو جاتے ہیں جس روز پُرانے مے خوار
رونق آجاتی ہے ساقی ترے میخانے میں
آپ کی بزم میں کیا خاک اب آئے کوئی
نہ یگانے میں رہا فرق نہ بیگانے میں

مجھ کو جو لوگ نہ کرتے تھے نظر سے اوجھل
وہی اب دفن کئے جاتے ہیں ویرانے میں
سارے جھگڑوں سے بھی مل جاتی ہے دنیا کے نجات
وقت بھی خوب گذر جاتا ہے مے خانے میں
مِل چکا خاک میں ناکامِ محبت کب کا
وہ ہیں مصروف ابھی زلف ہی سلجھانے میں
کیا کروں رازِ محبت نہیں آتا لب پر
بس یہی ایک کمی ہے مِرے افسانے میں
مے بھی تھی شیشہ و ساغر بھی تھے ساقی لیکن
تجھ کو ہم ڈھونڈھتے ہی رہ گئے میخانے میں
اب تو ہے رنگ ہی کچھ اور زمانہ کا رؤف
کہیں آنے میں مزہ ہے نہ کہیں جانے میں

وہ نہ کعبہ ہی میں ملتے ہیں نہ بت خانے میں
لُطف آتا ہے اُنھیں ٹھوکریں کھلوانے میں

ایک وہ تھے کہ جہاں بیٹھے وہیں پی کے اٹھے
اور اک ہم ہیں جو پیاسے رہے میخانے میں
کب تک آئیں گے وہ اتنا تو بتا دے قاصد
دیر کیا ہے مری بگڑی کے سنور جانے میں
یہ جو تلچھٹ ترے شیشے میں ہے باقی ساقی
لا اب اس کو بھی اُلٹ دے مرے پیمانے میں
رحم کر رحم خدا کے لئے اے شمع جمال
اِس قدر تاب جُدائی نہیں پروانے میں

آتے آتے ترے خال و رخ و گیسو کا خیال
ترے انداز بھی آجاتے ہیں دیوانے میں

ساقیا اور ہیں سب روز کے پینے والے
ہم تو یوں ہی کبھی آجاتے ہیں میخانے میں

دلِ محزوں کسی قابل ہے نہ جانِ مضطر
ہائے کیا پیش کروں آپ کو نذرانے میں

جب سے اے دردِ محبت تری روداد سُنی
لُطف آیا ہی نہیں پھر کسی افسانے میں

ڈھونڈھ کر دیکھ تو ہر گوشۂ دل میں ان کو
اسی کاشانے میں، ہیں وہ اسی کاشانے میں

جب سے ہے تیری توجہ میں کمی اے ساقی
دُھول اُڑنے لگی اُس روز سے میخانے میں

نہ بیاں ہے نہ ترا طرزِ بیاں ہے یہ رؤفؔ
اور ہی بول رہا ہے کوئی افسانے میں

کونسا ذرہ ترے نور سے معمور نہیں
کون سے دل میں ترے عشق کا ناسور نہیں
دردِ فرقت میں دلِ زار تڑپنا ترا
اور تنہا کہ کوئی پاس نہیں دور نہیں
ہم خیال آپ کا ہیں جان سے دل سے لیکن
ہم زباں آپ کا اے حضرت منصور نہیں
تیرا یہ مشورۂ ترکِ محبت ناصح
تجھے منظور ہو لیکن مجھے منظور نہیں
موت ہی سے ہو مداوائے محبت شاید
ورنہ اب کوئی علاجِ دلِ رنجور نہیں
ہم بھی کہنے کو ہیں انساں مگر ایسے انساں
جیسے نرگس کی کھلی آنکھ مگر نور نہیں
چشمِ بینا جو ہوئی وا تو یہ دیکھا میں نے
میں ہی خود دور ہوں وہ جانِ جہاں دور نہیں
ہو رؤفؔ اس لئے ناکامِ تمنا اب تک
بات یہ ہے کہ ابھی شیشۂ دل چور نہیں

زندگی اس کی ہے جس کو عشق کا آزار ہو
ہے وہ اچھا جو زمانے میں ترا بیمار ہو
ہم سے بھی وعدہ ہوا اور غیروں سے بھی اِقرار ہو
تم بڑے غدار ہو مکّار ہو عیّار ہو
آنکھ وہ ہے جو فراقِ یار میں روتی رہے
دل وہ ہے جو زخمیِ تیرِ نگاہِ یار ہو

اِک نگاہِ لُطف پر ہے میری قسمت کا مدار
دیکھ بھی لو تم محبت سے تو بیڑا پار ہو
عیش میں تو ہمنشیں ہوتے ہیں دشمن بھی شریک
دوست وہ ہے جو مصیبت میں ترا غم خوار ہو
مہ جبینو ہے اَزل سے ساتھ حسن و عشق کا
چاہنے والے نہ ہوں تو زندگی دشوار ہو

جب پڑے اپنے ہی بازو پر پڑے جا کر نظر
ہے رؤفؔ افسوس تم منت کشِ اغیار ہو

کس طرح بھولوں گا اے زنداں تری تصویر کو
آنکھ میں لے کر چلا ہوں حلقۂ زنجیر کو
کھینچ کر لے ہی چلا پہلو سے ظالم تیر کو
اب تڑپنے کا سہارا بھی نہیں نخچیر کو

میری بے تابی تو اب قابو سے باہر ہو چکی
اُن سے رُک جائے تو روکیں نالۂ شبگیر کو

ہم میں جب تک دم رہا تدبیر پر مرتے رہے
تھک گئے تو بیٹھ کر رونے لگے تقدیر کو

کس کو دیکھو گے تمھیں شانِ کریمی کی قسم
عفو کو یا مجھ پریشاں حال کی تقصیر کو

غم نظر آئیں اگر بڑھتے ہوئے حد سے رؤف
سامنے آنکھوں کے رکھ لینا غمِ شبیرؓ کو

کبھی تم نور افزائے نظر ہو کسی دن تو شبِ غم کی سحر ہو
غریبوں سے محبت کرنے والے اِدھر بھی اک عنایت کی نظر ہو
اگر دل ہو تو تیری آرزو بھی اگر سر ہو تو تیرا سنگِ در ہو
مرے ویرانۂ دل کو بسا دو مری آنکھوں میں آکر جلوہ گر ہو
کہیں ٹوٹے ہوئے دل کی تسلّی کہیں تم مرہمِ زخمِ جگر ہو
فضاؤں میں مری ناکامیوں کی ذرا آواز دے دو تم کدھر ہو
کوئی ترسے تمہارے دیکھنے کو کسی کے ہر گھڑی پیشِ نظر ہو
صبا کہنا ہمارا حالِ دل بھی اگر ان کی طرف تیرا گذر ہو
ذریعہ کوئی ایسا ہو الٰہی اُنھیں میری مجھے انکی خبر ہو
کبھی گیسو کبھی رُخ کا تصوّر وہ میری شام یہ میری سحر ہو
نظر میں اتنی وسعت دے الٰہی جدھر دیکھوں وہی رشکِ قمر ہو
نہ ہو گو تو زمانہ بھر سے واقف مگر اے دل کچھ اپنی تو خبر ہو

کرم ہے آپ کا سارے جہاں پر
رؤفِ زار پر بھی اِک نظر ہو

کئے دیتا ہے تیرا دردِ فرقت نیم جاں مجھ کو
ذرا صورت دکھا دی ہوتی اے جانِ جہاں مجھ کو
حرم ہو دیر ہو مسجد ہو مندر ہو کلیسہ ہو
وہیں سر کو جھکا دوں تم نظر آؤ جہاں مجھ کو
تمہارے عشق کا بیمار ہو جاؤں تو صحت ہو
مروں تم پر تو مل جائے حیاتِ جاوداں مجھ کو
ترس آجائے اُس گل کو مِرے حالِ پریشاں پر
سکھادے عندلیب ایسی کوئی طرزِ فغاں مجھکو
نہیں معلوم تو کیوں کر کہے گا حالِ دل میرا
ذرا قاصد سنا دے پہلے میری داستاں مجھ کو
اگر لکھا ہے منزل پر پہنچنا میری قسمت میں
دکھا دوں گا تمھیں خود ڈھونڈھ لے گا کارواں مجھکو
ذرا جی بھر کے اے صیاد مجھ کو دیکھ لینے دے
نہ جانے پھر نظر آئے نہ آئے آشیاں مجھ کو
رؤفؔ اب تو یہاں سے سر نہ اُٹھے گا نہ اُٹھے گا
مقدر سے ملا ہے اُن کا سنگِ آستاں مجھ کو

ہیں ازل کے کشتۂ ناز ہم کوئی شوخ مائل ناز ہو
کبھی ضبطِ غم، کبھی شرحِ غم کبھی سوز ہو کبھی ساز ہو

جسے بادشاہی کی ہو ہوس وہ تمہارے در کا گدا بنے
جسے زندگی کی ہو آرزو وہ تمھارا کشتۂ ناز ہو

نہیں حسرت اور کوئی صبا فقط اتنی رکھتا ہوں التجا
کہ یہ چشمِ شوق جدھر اُٹھے اُسی گل کا جلوۂ ناز ہو

ہوں ادا و ناز نئے نئے ترا حُسن روز فزوں رہے
شبِ غم بڑھے تو بڑھے مگر تری زلف اور دراز ہو

تمھیں دے کے مفت گنوا دل کوئی خاک تم سے لگائے دل
نہ رہے جب اپنی بھی کچھ خبر تو تمھارا محرمِ راز ہو

جو زباں سے کہدے وہ ہو ابھی جو طلب کرے وہی دوا بھی
بنے بندہ کوئی رؤف سا کوئی تم سا بندہ نواز ہو

جو کوئی بات پوچھو اس کے واقف کار سے پوچھو
وفا عاشق سے پوچھو بے وفائی یار سے پوچھو
نہ تم مجھ سے نہ کچھ میرے کسی غم خوار سے پوچھو
مری الجھن کو اپنے گیسوئے خم دار سے پوچھو
حرم یا دیر کو آورگانِ عشق کیا جانیں
یہ ہیں جھگڑے کی باتیں کافر و دیندار سے پوچھو
شفا ہونا نہ ہونا یہ تو باتیں ہیں مقدّر کی
مگر آ کر کبھی تم حال تو بیمار سے پوچھو
شہیدِ ناز کی میت کا اُٹھنا بھی قیامت تھا
عجب حسرت برستی تھی در و دیوار سے پوچھو
محبت شمعِ عرفاں ہے محبت نورِ ایماں ہے
محبت حاصلِ جاں ہے کسی ہشیار سے پوچھو
ادائے دلبری یہ ہے تمھارا کام تم جانو
مگر اس پر فدا ہونا رؤفؔ زار سے پوچھو

اشک آنکھوں میں نہ ہوں لب پر فغاں کوئی نہ ہو
فتنہ گر کیا میرے غم کا ترجماں کوئی نہ ہو

میں اسی صورت سے تیرے ہجر میں تڑپا کروں
اور میرے حالِ دل پر مہرباں کوئی نہ ہو
میری ہستی اُن میں گم ہو وہ ہوں مجھ میں جلوہ گر
نام کو بھی اُن کے میرے درمیاں کوئی نہ ہو
اے دلِ مجبور گو بن جائے جانِ زار پر
راز لیکن اُن کی اُلفت کا عیاں کوئی نہ ہو
موت آجائے نہ ہو لیکن محبّت کا بروگ
مبتلائے عشق ہونے کو جواں کوئی نہ ہو
ہے مقدر میں تو منزل پر پہنچ جائیں گے ہم
کارواں کیسا نشانِ کارواں کوئی نہ ہو
دل سا کاشانہ کسی کی یاد سے خالی رہے
حیف اِس خلوت کدے میں میہماں کوئی نہ ہو
ہائے مجھ پر رحم کھا کر اُن کا فرمانا رؔؤف
جور اس بے کس پر اب اے آسماں کوئی نہ ہو

جو فعل بھی ہو ازرہِ اخلاص و یقیں ہو
جو قول بھی ہو صدق کی دولت کا امیں ہو

کعبے میں کلیسا میں صنم خانے میں دل میں
دیدار میسر ہو مجھے اُن کا کہیں ہو

کِس طرح اُٹھے بارِ غمِ ہجر الٰہی
کِس طرح اُنھیں میری محبت کا یقیں ہو

وہ وعدۂ فردا کبھی پورا نہ کریں گے
اے حضرتِ دل ہم بھی یہیں تم بھی یہیں ہو

آبادیٔ دِل بعد کی منزل ہے الٰہی
پہلے مجھے بربادیٔ دل کا تو یقیں ہو

مِلتے نہیں تم مجھ کو حکومت ہے تمہاری
ورنہ مِرے پہلو میں ہو کچھ دور نہیں ہو

زاہد کے لئے کعبے ہیں میرے لئے دل ہیں
ظاہر میں کہیں رہتے ہو باطن میں کہیں ہو

ہستی پہ رؤف اپنی عبث ناز ہے تم کو
تم کچھ بھی نہیں کچھ بھی نہیں کچھ بھی نہیں ہو

محبت میں جب مبتلا ہو گئے وہ تو وحدت میں کثرت نما ہو گئے وہ
کہیں رند میکش کی صورت بنائی کہیں صوفی با صفا ہو گئے وہ
دلِ مضطرب بن گئے عاشقوں میں حسینوں میں ناز و ادا ہو گئے وہ
کہیں اپنی شاہی کے سکّے جمائے کہیں لے کے کاسہ گدا ہو گئے وہ
گلستاں میں گل بن کے جلوہ دکھایا نیستاں میں نے کی صدا ہو گئے وہ
اُدھر نور بن کر سرِ طور چمکے اِدھر ہوش بن کر ہوا ہو گئے وہ
کہیں قیس بن کر بیابان چھانے کہیں لیلیٰ دل ربا ہو گئے وہ
نبی بن کے معراجِ رفعت پہ پہنچے علیؓ بن کے مشکل کشا ہو گئے وہ
شریعت میں سجدے کئے بندگی کے حقیقت میں عینِ خدا ہو گئے وہ
غرض اپنے جلوے کو اتنا بڑھایا کہ ہر چیز میں رُونما ہو گئے وہ

اور اب ایک درویش کا روپ بھر کر
رؤفؔ حزیں کی صدا ہو گئے وہ

کوئی گردش تری ایسی بھی تو اے آسماں ہوتی
ہماری شومیِ قسمت نصیبِ دشمناں ہوتی
لگی ہو جس کو بس وہ جانتا ہے حالِ دل کہنا
بھلا قاصد سے میری داستاں کیونکر بیاں ہوتی
مقدر کے لکھے سے آدمی مجبور ہوتا ہے
وگرنہ ہم کہاں ہوتے شبِ غم تو کہاں ہوتی
اگر اے باغباں کچھ بھی مقدر یاوری کرتا
یہی بادِ مخالف پاسبانِ آشیاں ہوتی
رؤف اُلٹے ہیں وہ تو ہو گئے اپنے بھی بیگانے
اگر وہ مہرباں ہوتے تو دنیا مہرباں ہوتی

دل کی حالت کیا بتاؤں چارہ گر کیا ہوگئی
دم زدن میں منقلب بے کس کی دنیا ہوگئی
آج رخصت ہو گیا دنیا سے محرومِ وصال
اب ترے بیمار کو صحت مسیحا ہوگئی
کیوں نہ اے دل تیرِ مژگاں کا نشانہ بن گیا
کیوں نہ اے جانِ حزیں خاکِ کفِ پا ہوگئی
کیسے کیسے نازنیں آنکھوں سے اوجھل ہوگئے
ہائے دنیا دیکھتے ہی دیکھتے کیا ہوگئی
پوچھ تو لیتے کبھی حالِ رؤفؔ مبتلا
دیکھ تو لیتے کہ کیا حالت تھی اور کیا ہوگئی

جو پوچھا کیوں محبت دل میں اے جانِ جہاں رکھ دی
تو فرمایا امانت یہ جہاں کی تھی وہاں رکھ دی
بتاؤ اور تم اک وار کے بدلہ میں کیا لوگے
تمھارے سامنے دل رکھ دیا بسمل نے جاں رکھ دی
جبین شوق کے سجدے وہیں ہونے لگے پیہم
ذرا سی خاک اُن کے آستانے کی جہاں رکھ دی
نِکالی جان کس انداز سے قاتل نے رک رک کر
جہاں دل میں تڑپ دیکھی وہیں نوکِ سناں رکھ دی
کسی بیمار کو تسکیں کسی بیمار کو صحت
مریضِ ہجر کے حصہ میں مرگِ ناگہاں رکھ دی
مِرے مکتوب کے ہوں کاش ایسے بولتے فقرے
یہ ظاہر ہو کہ میں نے کاٹ کر گویا زباں رکھ دی
پہنچنا ہو گیا مشکل مجھے گورِ غریباں تک
وہیں محشر ہوا برپا مِری میت جہاں رکھ دی
رؤفِ با صفا دیر و حرم کا فرق کیا جانے
جہاں وہ نقشِ پا دیکھا جبیں اپنی وہاں رکھ دی

چارۂ عشق کیا کرے کوئی   کِس مرض کی دوا کرے کوئی
ہم نہ دیں گے کبھی کسی کو جواب   گلۂ نا رَوا کرے کوئی
جو توجہ سے بات بھی نہ سنے   اُس سے کیا التجا کرے کوئی
ہم تو اپنی زباں سے کچھ نہ کہیں   اور محشر بپا کرے کوئی
ہو نظر میں اگر حقیقتِ حال   کیوں کِسی کا گِلا کرے کوئی
میرے دل سے چھُپے تو میں جانوں   آنکھ سے یوں چھُپا کرے کوئی
آپ جب بھول کر بھی لیں نہ خبر   مَر نہ جائے تو کیا کرے کوئی
ہم کہیں باز آنے والے ہیں   لاکھ ہم پر جفا کرے کوئی
آہ وہ قدر ہی نہیں کرتے   مَرتے مرتے وفا کرے کوئی

صِرف اتنی سی آرزو ہے رؤفؔ
اپنا وعدہ وفا کرے کوئی

تمھیں دل دے کے ساری عمر حیرانی نہیں جاتی
وہ صورت پیش آتی ہے کہ پہچانی نہیں جاتی
ہوا ہے چاک اس صورت سے میرے صبر کا دامن
سیئے جاتا ہوں لیکن چاک دامانی نہیں جاتی
بس اے مُرغِ تخیل روک لے پرواز کو اپنی
جہاں وہ ہیں وہاں تک فکرِ انسانی نہیں جاتی
مرض کیسا ہی مہلک ہو شفا ممکن ہے دنیا میں
مگر تیری خلش اے دردِ پنہانی نہیں جاتی
حقیقت میں تمھارے اس قدر احسان ہیں مجھ پر
کہ تم کو جان دے کر بھی پشیمانی نہیں جاتی
اگرچہ لاکھ تدبیریں کرے انسان راحت کی
مگر اے دل مقدر کی پریشانی نہیں جاتی
رؤفِ زار کی حالت کو وہ پوچھیں تو کہہ دینا
یہ صورت ہے کہ اب صورت بھی پہچانی نہیں جاتی

غم نہیں راہِ عشق میں جائے جو جانِ زار بھی
صِرف قضا یہ دیکھ لے آ گیا کوئے یار بھی

بزم میں اپنی دیکھئے مجھ کو بھی رہنے دیجئے
ہوتے ہیں باغِ دہر میں گل کے قریب خار بھی

اے گلِ تر بہت نہ پھول بُلبلِ زار کو نہ بھول
حُسن پہ ناز ہے فضول اِس کا کچھ اِعتبار بھی

ایسے ہی روٹھے جائیے اور کبھی نہ آئیے
تیر وہی چلائیے جو ہو جگر کے پار بھی

اُن کے گر آ گئے قدم پھر تو یہیں مریضِ غم
صبر بھی بے سکون بھی چین بھی بے قرار بھی

اُس کی تلاش ہے اگر اپنی خودی سے درگذر
یہ تو خیالِ خام ہے تو بھی ہو اور یار بھی

دُکھ سے نجات دی مجھے جس نے حیات دی مجھے
اُس کی ہی ٹھوکروں میں ہو بعد فنا مزار بھی

دل تو کبھی کا ہو چکا زلف کا تیری شیفتہ
تیرے ہی رُخ پہ ہو فِدا جانِ رؤفؔ زار بھی

جو عمر اُن کے در پر بسر ہو گئی
تو سمجھوں گا اچھی گذر ہو گئی

سرِ حشر جب اُن کی آمد ہوئی
قیامت اِدھر سے اُدھر ہو گئی

بنی دِل جو دل میں گئی وہ نظر
جگر میں جو اُتری جگر ہو گئی

حقیقت کی آنکھوں سے دیکھا گیا
تو ہر شے فریبِ نظر ہو گئی

محبت کی دلداریاں اب کہاں
یہ دنیا ہی زیر و زبر ہو گئی

بہت خوابِ غفلت کے لُوٹے مزے
اب اُٹھ سونے والے سَحر ہو گئی

تم آئے نہیں بھول کر بھی کبھی
مری عمر یوں ہی بسر ہو گئی

رؤفؔ آہ کیا ہجر میں مر گیا
کہانی ہی سب مختصر ہو گئی

کیسی بے درماں بلا یہ گردشِ تقدیر تھی
ہر عمل بے سود تھا ناکام ہر تدبیر تھی
ان کی شانِ دلبری تھی اُن کے عشوے وجہِ عشق
میں یہ حیراں ہوں کہ میری کون سی تقصیر تھی

بھیجکر تصویر کچھ تسکین دی تھی آپ نے
دن تو کٹتے تھے مگر تصویر پھر تصویر تھی
عشق والے لے گئے دونوں جہاں کی نعمتیں
یہ وہ کوچہ تھا جہاں کی خاک بھی اکسیر تھی
پوجنا تصویر کا ویسے ہی کفر و شرک تھا
اور میں وہ کافر کہ دل میں یار کی تصویر تھی
آپ زندہ دیکھتے آکر مریضِ ہجر کو
مَرنے والے کی بھلا ایسی کہاں تقدیر تھی
کاتبِ قسمت تجھے اپنی کتابت کی قسم
جو سمجھ ہی میں نہ آئی وہ بھی کچھ تحریر تھی

اے فلک شاید تجھے وہ دن ہمارے یاد ہوں
زور تھا آواز میں فریاد میں تاثیر تھی
پاؤں اب اُٹھتے نہیں بارِ علائق سے رؤف
تم جسے سمجھے تھے زیور پاؤں کی زنجیر تھی

اِدھر یہ دل جسے عادت ہے پیچ کھانے کی
اُدھر وہ زُلف کہ خوگر نہیں جو شلنے کی

فروغِ حُسن سے اپنے وہ بے خبر ہی رہیں
کہیں ہوا نہ لگے اُن کو اِس زمانے کی

حرم میں ذکرِ حرم بت کدے میں یادِ بُتاں
شراب خانے میں باتیں شراب خانے کی

ہم اپنے بچنے کا کرتے رہیں ہزار علاج
کِسے خبر ہے مگر موت کے بہانے کی

فلک کا شکوہ تو کرتے ہی آئے ہیں عشّاق
نہ جانے اس کو عداوت ہے کس زمانے کی

یہ ہم نے مانا کہ تم مِٹ گئے رؤف اُن پر
مگر یہ بات بھی ہو کچھ زباں پہ لانے کی

سیدھی ہوئی تو خوبی تقدیر ہو گئی
بَل کھا گئی وہ زلف تو زنجیر ہو گئی
دل کو جگر کو جان کو سب کو کیا شکار
جس کی طرف اُٹھی وہ نظر تیر ہو گئی

جو تم نے کہہ دیا وہ مجھے ماننا پڑا
جو تم نے لکھ دیا مِری تقدیر ہو گئی

جینا ہمارا عرصۂ دنیا میں خواب تھا
مَرنا ہمارا خواب کی تعبیر ہو گئی
سیدھی پڑی نظر تو مجھے کر دیا نہال
اُلٹی ہوئی تو گردشِ تقدیر ہو گئی

آیا نہ یاد شمع کو پروانہ بھول کر
بَرباد خاکِ عاشقِ دل گیر ہو گئی
ممکن نہیں نصیب کا لکھا مٹے ذوقؔ
جو بات ہو گئی دمِ تحریر ہو گئی

ہو گئے بدنام در در ٹھوکریں کھانے لگے
ہم تو اپنے جرمِ اُلفت کی سزا پانے لگے
اَب کوئی موقع نہیں بے اعتنائی کا نہیں
بیٹھنے اُٹھنے لگے آنے لگے جانے لگے
تو ہوئی کیوں بلبلِ ناشاد میری ہم صفیر
کیا تجھے بھی دردِ اُلفت کے مزے آنے لگے
اِس دلِ وحشی کی اُلجھن کا بھلا کیا ہو علاج
وہ تو کچھ کہہ کر پھر اپنی زلف سلجھانے لگے
ہاں اُٹھائیں گے مصائب قیدِ اُلفت کے عبد رؤف
خانہ زادِ عشق کیوں زنداں سے گھبرانے لگے

داستانِ غمِ نہانی ہے   یہ کہانی تمہیں سنانی ہے
دل کو قابو میں رکھ کے سُنیئے گا   عاشقِ زار کی زبانی ہے
ہم تو پہلے ہی سے سمجھتے تھے   وہ کروگے جو دل میں ٹھانی ہے
خاکِ تربت اُڑا نہ بادِ صبا   مَرنے والے کی یہ نشانی ہے
کِس نے پردہ اُٹھا دیا رُخ سے   رنگِ خورشید زعفرانی ہے
کیوں نہ رکھوں گا سر ترے دَر پر   اپنی تقدیر آزمانی ہے
جانتا ہوں فلک کی سب چالیں   تیرے کوچہ کی خاک چھانی ہے
کِس طرح قافلہ لُٹا دل کا   ایک حسرت بھری کہانی ہے
اے صبا رُخ ہو اُن کے کوچہ کا   خاکِ تربت اگر اُڑانی ہے

ایک وہ بھی تو ہستیاں ہیں رؤفؔ
موت بھی جن کی زندگانی ہے

پوچھا اِس غم کا کون بانی ہے
بولے سب جورِ آسمانی ہے

پوچھا تم بھی ہو عشق سے واقف
بولے ہاں مرگِ ناگہانی ہے

پوچھا عاشق کی آپ کے پہچان
بولے آنکھوں سے خونفشانی ہے

پوچھا شادی و غم سے کیا مطلب
بولے نیرنگِ آسمانی ہے

پوچھا دُوری بھی ظلم ہے کہ نہیں
بولے نادان مہربانی ہے

پوچھا کیونکر ہو طے مرا قصّہ
بولے شمشیرِ درمیانی ہے

پوچھا خوبی ہے کچھ رؤف میں بھی
بولے ہاں اس کی بے زبانی ہے

جو خدنگِ ناز دیکھا کہا دل نے مُرغِ جاں سے
ہے سلامتی اسی میں کہ نِکل چلو یہاں سے
ترے دامِ غم میں پھنس کر یہ خبر نہ تھی سِتم گر
کہ مَریں گے پھوڑ کر سر ترے سنگِ آستاں سے
کہوں کِس سے اے صبا میں جو مصیبتیں سہی ہیں
مجھے مُدتیں ہوئی ہیں کہ جُدا ہوں کارواں سے
سرِ حشر کیا کرو گے وہاں کِس کا دم بھرو گے
مِری داستاں تو ہوگی اِسی تیغ کی زباں سے
جو عیوب ہیں وہ ہم ہیں جو قصور ہیں وہ ہم ہیں
کریں کِس کی نکتہ چینی ہیں بُرے تو ہم جہاں سے
کوئی کہہ رہا ہے اے دل کہ نہیں وصال مشکل
اگر اُٹھ گیا خودی کا یہ حجاب درمیاں سے
جو بھلائیاں ہوئی ہیں وہ سب آپ سے ہوئی ہیں
جو بُرائیاں ہوئی ہیں وہ رؤفِ خستہ جاں سے

نہ رقیبوں نے نہ اُس در کی جبیں سائی نے
مجھ کو رُسوا کیا تقدیر کی رُسوائی نے

مِٹ گئے قامتِ زیبا پہ ہزاروں شمشاد
سَروِ قد سیکڑوں ڈھائے تری رَعنائی نے

چشمِ گِریاں نے جو اشکوں سے قیامت ڈھائی
ہائے کچھ بھی نہ کیا صبر و شکیبائی نے

اُس کے در پر ہیں پڑے شیخ و برہمن دونوں
پائی کچھ ایسی ادا اُس بُتِ ہرجائی نے

وہ یہ کہتے ہیں رؤف اپنے مقدر سے مرا
خلق کہتی ہے کہ مارا تری رعنائی نے

تم کو تو خوف ہی نہ تھا روزِ حساب سے
پھر کیا ہوا جو ہو گئے اب لاجواب سے
بندہ نے بُھول کر کبھی شکوہ نہیں کیا
ویسے ہی کہہ دیا ہے کسی نے جناب سے
سوتے ہوئے نصیب کو رہبر بناؤں گا
پوچھوں گا راستہ اُسی مصروفِ خواب سے
اللہ سب کو لطفِ جوانی نصیب ہو
کوئی بھی نامراد نہ جائے شباب سے
اَب آتشِ فراق کو کیونکر بجھاؤں گا
آنسو بھی چل پڑے مِری چشم پُرآب سے
آدابِ بارگاہ تو سیکھو ابھی رؤف
اِس منہ پہ عرضِ حال رِسالت مآب سے

وہ سچے ہیں اور اُن کا وعدۂ فردا بھی سچا ہے
مگر اتنا بتا دیں زندگی کا کیا بھروسا ہے
کوئی عیار کہتا بھی ہے تم کو تو عجب کیا ہے
کہیں چہرہ پہ آنچل تک نہیں کہنے کو پردا ہے
کہو گے حشر میں رنگِ حنا تو منہ کی کھاؤ گے
وہاں تو ہاتھ خود کہہ دیں گے یہ خونِ تمنا ہے
مجھے وہ اپنے دیوانوں میں لکھ لیں نقدِ جاں لیکر
یہ سودا ہو گیا اے دل تو اِن داموں بھی سستا ہے
مِری جانب سے آنکھیں پھیر کر وہ ناز سے بولے
اِدھر دیکھو زمانہ اِس طرح کروٹ بدلتا ہے
زباں سے جب نِکل سکتا نہیں کچھ مرنے والے کی
تو بالآخر در و دیوار کو حسرت سے تکتا ہے
کہا میں نے بتاؤ کون ہوں میں بولے دیوانہ
کہا میں نے کہ تم کو چاہتا ہوں بولے سودا ہے
نہیں ہے اک ذوقِ خستہ جاں ہی ان کا دیوانہ
جہاں دیکھو انھیں کے حسن کا دنیا میں چرچا ہے

اسیرِ دامِ الفت کا تمھارے حال ہی کیا ہے
مریضِ دردِ فرقت ہے نہ مرتا ہے نہ جیتا ہے
دلِ بے تاب کا حالِ زبوں دیکھا نہیں جاتا
مثالِ ماہیِ بے آب پہلو میں تڑپتا ہے
مجھے مِلنے سے مطلب ہے کسی صورت سے مِل جاؤ
حریمِ دل میں آ جاؤ اگر آنکھوں سے پردا ہے
حیات و موت دونوں میں تمھاری ذات ہے شامل
نہ تم بن کوئی مرتا ہے نہ تم بِن کوئی جیتا ہے
تخیل کوئے جاناں کا تجسس۔ بوئے جاناں کا
تصور روئے جاناں کا۔ یہی عاشق کی دنیا ہے
ابھی لینے کے دینے پڑ رہے تھے آپ کے پیچھے
ابھی صورت دکھا دی آپ نے بیمار اچھا ہے
رؤفِ بینوا کب سے کھڑا ہے ہاتھ پھیلائے
اسے بھی بھیک مِل جاتی تمھارے در کا منگتا ہے

مقدر کے لکھے کو آج تک کس کس نے ٹالا ہے
رہے گا وہ تو ہو کر ہم نشیں جو ہونے والا ہے
مثالِ بے مثالی ہے تمھاری ہر ادا پیارے
تمھارا جو طریقہ ہے زمانے سے نرالا ہے
تمھارے دم سے ہے نظمِ زمین و آسماں قائم
تمھارے حُسن ہی سے بزمِ ہستی میں اُجالا ہے
نشانہ کو کبھی تیرے خطا کرتے نہیں دیکھا
جسے تاکا ہے تو نے ناوک افگن مار ڈالا ہے
ہوئیں وہ صحبتیں بھی فصلِ گل کے ساتھ ہی رخصت
نہ اب گل ہے نہ بلبل ہے نہ نرگس ہے نہ لالا ہے
سہے صدمے اُٹھائے داغ کھائیں ٹھوکریں در در
نہیں معلوم اے دل اور کیا کیا ہونے والا ہے
اب اُن کی بزم میں بد نظمیاں بڑھنے لگیں حد سے
نہ کوئی کہنے والا ہے نہ کوئی سُننے والا ہے
قیامت چال، شیریں گفتگو، جادو بھری آنکھیں
غرض قدرت نے اس کو حُسن کے سانچے میں ڈھالا ہے
رؤفؔ اب تم بھی اُٹھو خواب سے معلوم ہے کس کو
عدم کا قافلہ کس دن روانہ ہونے والا ہے

جب تک کہ روح و جسم میں آہنگِ ساز ہے
وہ سنگِ در رہے اور جبینِ نیاز ہے
میں مُبتلائے درد ہوں وہ مستِ ناز ہے
مَیں بندۂ نیاز ہوں وہ بے نیاز ہے
گو پردہائے ساز نے کیں بے حجابیاں
لیکن حقیقت اس پہ بھی سربستہ راز ہے
میدانِ حشر میں کہیں شرمندگی نہ ہو
مجھ کو تمھاری شانِ کریمی پہ ناز ہے
سَاقی کا دم بھی خوب ہے اللہ خوش رکھے
جس وقت دیکھئے دَرِ مے خانہ باز ہے
اِس بے کسی میں تجھ کو پکاروں نہ کس طرح
اَللہ اور بھی کوئی بے کس نواز ہے
اپنے کرم سے بخش دے مولیٰ رؤف کو
تجھ کو کریم کہتے ہیں تو بے نیاز ہے

تم سے اے شہِ خوباں کیا کہوں گلہ کیا ہے
داستانِ دل سُن لو اور مدعا کیا ہے
تیغِ عشق کا مارا مَر رہا ہے بے چارا
دیکھ لو ذرا آ کر حالِ مبتلا کیا ہے
جب سے دل دیا تجھ کو کچھ خبر نہیں مجھ کو
غیر کِس کو کہتے ہیں اور آشنا کیا ہے
قیس کو لقب بخشا عاقلوں نے مجنوں کا
یہ غریب کیا جانیں عِشق میں مزا کیا ہے
آنکھ پھیر لی مجھ سے تم نے یہ سوچا ہائے
اس رؤفؔ بیکس کا اور آسرا کیا ہے

مدِّ نظر ہو تم دلِ خانہ خراب کے
ذرّہ کو ہو گئے ہیں دماغ آفتاب کے
دُنیا میں مطمئن کوئی کس طرح رہ سکے
کچھ زندگی کے دن ہیں سو وہ بھی حساب کے
آنکھوں میں بس گئے کسی حیرت زدہ کی آپ
دِل میں سما گئے کسی خانہ خراب کے
مجنوں کہیں ہے مَیں ہوں کہیں کوہکن کہیں
ہیں منتشر تمام ورق اِس کتاب کے
پوچھے جو کوئی تم سے کہ تم کون ہو رؤف
کہنا کہ ہم گدا ہیں درِ بوترابؓ کے

نہ یہ رنگِ سبزہ نہ گل کی یہ بُو ہے
ہر اِک شکل میں جَلوہ گر یار تُو ہے
شریعت میں جو تو کہے وہ بجا سب
حقیقت میں زاہد نہ میں ہوں نہ تُو ہے
دمِ واپسیں کاش وہ پوچھ لیتے
کہ اے مَرنے والے کوئی آرزو ہے
حرم بُت کدے مسجدیں خانقاہیں
جہاں دیکھئے آپ کی جستجُو ہے
نمازِ محبت کے ارکان توبہ
یہاں شرط خونِ جگر سے وضو ہے
رؤف اپنی ہستی کو پہچان لے بس
یہاں اور کس کی تجھے جستجُو ہے

اے آسمان بے کاوش کیوں میرے آشیاں سے
کچھ جمع کر لئے ہیں تنکے یہاں وہاں سے
دُنیا میں کیا بتائیں کس طرح دن گذارے
جب تک یہاں رہے ہم گم کردہ کارواں سے
اے باغباں چمن سے مجھ کو نکال دینا
لیکن ذرا لپٹ کر رو لوں مَیں آشیاں سے
شمشیر تیر خنجر کس کس کو روئیے گا
یہ داستاں تو ہوگی ایک ایک کی زباں سے
اِتنا مجھے بتا دو باتیں تو ہو چکیں سب
شکوہ کبھی سُنا ہے تم نے مِری زباں سے
دُنیا کے عیش وراحت دھوکے کی ٹٹیاں ہیں
غافِل کہیں نہ ہونا نیرنگِ آسماں سے
محفل میں تم نے اپنی دیکھا ذوقؔ کو بھی
بیٹھے ہوئے ہیں کیسے خاموش بے زباں سے

نیرنگیِ جہاں کا ہے منظر لئے ہوئے
آئینہ ہاتھ میں ہے سکندر لئے ہوئے
لب میں ہے اُس نگار کے اعجازِ عیسوی
ٹھوکر میں ہے وہ فتنۂ محشر لئے ہوئے
یہ عاشقی کی شان وہ اندازِ دلبری
ہم سر بکف وہ ہاتھ میں خنجر لئے ہوئے
ڈوبا ہوا ہے دل تری الفت کی موج میں
قطرہ ہے اپنے ساتھ سمندر لئے ہوئے
چھانوں جہاں کی خاک تمہاری تلاش میں
یہ آرزو پھرے مجھے در در لئے ہوئے
پروانے جل رہے ہیں فقط اُن کی آگ میں
حاضر ہے ورنہ شمع تو خود سَر لئے ہوئے
آنکھیں وہ ہیں کہ جن میں ہو شوقِ جمالِ یار
دل ہے وہ دل کہ ہو غمِ دلبر لئے ہوئے
خورشید پھر رہا ہے اُنھیں ڈھونڈھتا ہوا
ہجراں کا داغ ہے مہِ انور لئے ہوئے
شکوہ نہ آسماں سے نہ صیاد سے گِلہ
پھرنا ہے اے ذوقؔ مقدر لئے ہوئے

سچ پوچھئے تو بس انھیں لوگوں کی عید ہے
مدِّ نظر جنھیں رُخِ جاناں کی دید ہے
اُٹھ جاؤں بزمِ ناز سے ناکامِ آرزو
ساقی یہ تیری شانِ کرم سے بعید ہے
سُنتے ہیں شورِ عید مبارک کا چہار سُو
مِل جاؤ تم تو ہم بھی کہیں آج عید ہے
چُھپتا کہاں ہے کشتۂ تیغِ جفا کا خوں
دیکھو شفق میں سُرخیٔ خونِ شہید ہے
ہم دِل جلوں سے عید کی بابت نہ پوچھئے
جس روز تم کو دیکھ لیا روزِ عید ہے
کیا پوچھتے ہو حال مریضِ فراق کا
ہر ہر نفس پہ دردِ جُدائی شدید ہے
کیوں بار بار پوچھتے ہو کون ہے ذوقؔ
جاناں تمھاری تیغِ ادا کا شہید ہے

طور پر جلوہ دکھانا اور ہے
اُدنُ مِنّی کا ترانہ اور ہے
جھانکتے پھرتے ہیں کیوں دیر و حرم
اُن کے ملنے کا ٹھکانا اور ہے
قُم بِاِذنِ اللہ کہتا ہو کوئی
یار کا ٹھوکر لگانا اور ہے
باغ میں کھلتے ہیں یوں کھِلنے کو پھول
میرے گُل کا مسکرانا اور ہے
اور ہے پابندئ صوم و صلوٰۃ
نقش ہستی کا مٹانا اور ہے
مرغِ جاں پر بھی نگاہِ لطف کر
ناوک افگن یہ نشانہ اور ہے
ہم بھی چلنے کے لئے تیار ہیں
کوئی دن کا آب و دانہ اور ہے
خونِ دل سے سینچنا ہوگا ذوقؔ
نخلِ الفت کا لگانا اور ہے

اے شمع رو خیال ہمارا نہ کیجئے
پروانے جلتے رہتے ہیں پروا نہ کیجئے

مُردوں کو سونے دیجئے قبروں میں چین سے
محشرِ خرامِ ناز سے برپا نہ کیجئے
جامِ وصال آپ کو دینا نہیں اگر
لبریز میری عمر کا پیمانہ کیجئے
بس آپ ہی کے سامنے مرنے کا شوق ہے
اچھا نہ کیجئے مجھے اچھا نہ کیجئے
اُلجھن میں ڈال دیتی ہے دل کا معاملہ
زلفِ سیاہِ یار سے سودا نہ کیجئے
اللہ تیری شانِ کریمی کا واسطہ
محتاج مجھ کو اور کسی کا نہ کیجئے

زخمِ جگر پہ یوں نہ چھڑکئے نمک ذوقؔ
رہ رہ کے تذکرہ مرے دل کا نہ کیجئے

کچھ جستجوئے بادہ و صہبا نہ کیجئے
آنکھیں مِلائیے مجھے مستانہ کیجئے

اِس دِل کو پہلے منزلِ جانانہ کیجئے
کعبہ سے پہلے طوفِ صنم خانہ کیجئے

صُورت دِکھا کے صبر و سکوں چھین لیجئے
زلفوں کو کھول کر مجھے دیوانہ کیجئے

اِس دل میں آپ رہتے ہیں گھر ہے آپکا
آباد رکھیئے یا اسے ویرانہ کیجئے

جب جان دے چکے رہِ اُلفت میں دے چکے
اب کیا ذرا سی بات کا افسانہ کیجئے

جَل جَل کے سوختہ ہو جگر سوزِ عشق میں
لیکن زباں سے بھول کے شکوا نہ کیجئے

مَولیٰ ہر ایک اپنے پرائے کے سامنے
کل حشر میں رؤفؔ کو رُسوا نہ کیجئے

ترے وعدہ پہ جیتا ہوں یہ میرا رشتۂ جاں ہے،
تری صورت پہ مرتا ہوں یہ میرا دین و ایماں ہے

جسے چاہو بنا لو تم نشانہ تیرِ مژگاں کا
یہ سینہ ہے یہ سر ہے یہ جگر یہ دل ہے یہ جاں ہے،

کوئی نسبت نہیں عشّاق کو اربابِ دنیا سے
اُنھیں مرنے کی حسرت ہے اِنھیں جینے کا ارماں ہے

حریمِ ناز میں اُن کے صبا پہنچے تو کہہ دینا
جگر پُرسوز ہے دِل مضطرب ہے چشم گریاں ہے،

ذوقِ زار کی بالیں پہ آ کر کچھ نہ کرتے وہ
بس اتنا پوچھ لیتے مرنے والے کوئی ارماں ہے

نہ جنت سے غرض مجھ کو نہ مطلب حور و غلماں سے
میں دیوانہ ہوں جاناں کا مجھے ہی کام جاناں سے
نچھاور کر دوں قدموں پر جگر کو دیدۂ و دل کو
میں کفر اُس بُت کی زُلفوں کا بدل لوں اپنے ایماں سے
دلِ عاشق کو تڑپا دے لگی کو اُس کی بھڑکا دے
ذرا چلمن کو سرکا دے صبا رُخسارِ جاناں سے
ہمارے اور تمہارے صلح کی بس ہی یہی صورت
تم اپنی ہٹ سے باز آؤ ہم اپنے عہد و پیماں سے
رؤف اب تو ادھر کا بھول کر بھی رُخ نہیں کرتے
پسِ مُردن کہاں بھاگو گے تم گورِ غریباں سے

نہ نرگس ہے نہ ریحاں ہے نہ لالہ ہے نہ سوسن ہے
نظر جس گل پہ پڑتی ہے تمھارا روئے روشن ہے
دکھاتا ہے مجھے ہر کوہ کوہِ طور کا جلوہ
مَیں جس وادی میں رکھتا ہوں قدم صحرائے ایمن ہے،
اگر پوچھے کوئی عِشق و خرد کا فرق کہہ دینا
وہ اپنا ہے یہ بیگانہ وہ رہبر ہے یہ رہزن ہے
نہ پوچھیں آپ کیفیت مِرے کاشانۂ دل کی
چلے جاؤ تو صحرا ہے جو آجاؤ تو گلشن ہے
اگر قِصّہ ہے میرا ہی، اگر جھگڑا ہے میرا ہی
تو پھر کیوں دیر کرتے ہو یہ خنجر ہے یہ گردن ہے
تباہی کا سبب دُنیا میں صرف اعمال ہیں اپنے
رؤفِ زار کوئی دوست ہے تیرا نہ دشمن ہے،

ناز سے ٹھوکر لگاتے جائیے
اپنے مُردوں کو جِلاتے جائیے
زندگانی کا نہیں کچھ اعتبار
دیکھئے صورت دکھلاتے جائیے
دِل کو کیونکر ہجر میں آئیگا چین
کوئی صورت تو بتاتے جائیے
آپ جاتے ہیں تو پہلے جانِ جاں
خاک میں مجھ کو مِلاتے جائیے
پھر نہ جائے آپ کا دل سے خیال
یاد کچھ ایسی دلاتے جائیے
آپ کے صدقے مِرے ہُوش وخرد
اپنا دیوانہ بناتے جائیے
کشتگانِ ناز زندہ ہوں ابھی
جانِ عیسےٰ لب ہلاتے جائیے
سب کی بگڑی کو سنوارا آپ نے
میری بگڑی بھی بناتے جائیے
جس کو دنیا غم بتاتی ہے رؤفؔ
نازِ جاناں ہیں اُٹھاتے جائیے

کیا مصیبت ہو گئی یہ عشق کی منزل مجھے
جو قدم رکھا نظر آئی نئی مشکل مجھے

کر مدد بہرِ خدا اے ناخدائے بحرِ غم
ناؤ ٹوٹی ہے نظر آتا نہیں ساحِل مجھے

آنکھ بیں ایسی سمائی ہے ستمگر کی شبیہ
جس طرف دیکھا نظر آیا وہی قاتل مجھے

جو ترے قدموں پہ ہو قربان ایسی جان دے
جو تری خاطر تڑپتا ہو مِلے وہ دِل مجھے

تیرے در کی خاک ہو جانا تو میرا فرض ہے
یہ تری مرضی جو تو کر دے کسی قابل مجھے

جان لے دُنیا کہ کوئی رہ نوَردِ عشق تھا
میں اِدھر منزل کو ڈھونڈوں اور اُدھر منزل مجھے

دیر ہو، کعبہ ہو بت خانہ ہو کوئی در بھی ہو
وہ جہاں آئیں نظر لے چل وہاں اے دل مجھے

کیجئے لِلّٰہ بیمارِ محبت کی دوا،
آپ کی فرقت میں جینا ہو گیا مشکل مجھے

وہ ستمگر تو سراپائے قیامت ہے رؤف
جو ادا دیکھی نظر آئی وہی قاتل مجھے

غمزے کے نزاکت کے شوخی کے شرارت کے
ہیں اُس مہِ خوبی میں انداز قیامت کے
ہوتے ہیں وہ جب میرے آغوشِ تصور میں
جلوے نظر آتے ہیں اللہ کی قدرت کے

مجھ سے تو کوئی پُوچھے قیمت مِرے اشکونکی
آنسو نہیں موتی ہیں یہ بحرِ محبّت کے
اے کاش کبھی اپنے ارماں بھی نکل جاتے
اک روز گلے مِلتے بچھڑے ہوئے مدّت کے

اب چون و چرا کی کچھ باقی نہیں گنجائش
جب سے تمہیں دیکھا ہے قائل ہیں قیامت کے
آہوں سے پتہ اکثر چلتا ہے محبّت کا
آنسو جنھیں کہتے ہو بھیدی ہیں محبت کے

اس وقت عیادت کو آنا ہے تو آ جاؤ
آثار نہیں اچھے بیمارِ محبت کے

بیمارِ محبت کے سینہ میں ابھی دم ہے
پھر کِس سے سُنو گے تم قِصے غمِ اُلفت کے

کونین کی پونجی کیا دلبر کے مقابل میں
ہم جان بھی دیدیں گے سودے میں محبت کے

عاشِق کِسے کہتے ہیں معشوق سے کیا مطلب
سمجھو انھیں دو پہلو اِک پیکرِ الفت کے

بہنے لگے آنکھوں سے اُن کی بھی دو آنسو
یاد آئے جو افسانے عاشق کی مُصیبت کے

جب تک ہمارے پاس وہ جانِ جہاں رہے
واللہ ہم کو یاد نہیں ہم کہاں رہے
کیا زندگی کا کوچۂ اُلفت کی پوچھنا
مَرنے کی آرزو ہو جسے وہ یہاں رہے
اُن کا عتاب اور کسی پر نہ ہو گیا
یہ بھی کرم ہی تھا کہ وہ نامہرباں رہے
اہلِ حرم بھی ڈھونڈھتے تھے اہلِ دیر بھی
کچھ تو جواب دو کہ تم آخر کہاں رہے
آنکھوں میں نورِ جان ہیں ایماں دل میں چین
کِس کِس ادا کے ساتھ رہے وہ جہاں رہے
تم ہو اگر خلاف تو دنیا خلاف ہو
تم مہرباں رہو تو جہاں مہرباں رہے
سر اُن کے سنگِ در سے نہ اُٹھے کبھی ذوقؔ
دم ہو لبوں پہ اور وہی آستاں رہے

اِک بَلا جانے سے پہلے دوسری آجائے ہے
آسماں ظالم قیامت پر قیامت ڈھائے ہے

جان سے دھونا پڑیں گے ہاتھ او نادان دِل
ناوکِ اُلفت کہیں ایسے ہی نکلا جائے ہے
ہائے کافِر عشق کی مجبوریاں کعبہ تو کیا
بُت کدے جاتا ہوں جب یہ بتکدے لیجائے ہے
وہ بھی آنے ہی کو ہیں لیکن قضا کا کیا عِلاج
ہائے ساحل پر پہنچ کر ناؤ ڈوبی جائے ہے
دل کو میرا پاسِ عزت مجھ کو دل کا ہے خیال
میں اُسے سمجھا رہا ہوں وہ مجھے سمجھائے ہے
عِشق کھو دیتا ہے جسم وجاں کی سب بیماریاں
زندگی پاتا ہے جو اس راہ میں مرجائے ہے
دم میں ہو جاتا ہے یہ وارفتۂ الفت کا حال
آہ ہے فریاد ہے نالہ ہے ہائے ہے

اے رؤفؔ اُن سے یہ کہنا غم سدا رہتے نہیں
سب گذر جاتے ہیں بس اک بات ہی رہ جائے ہے

اے دلِ زار کیا کیا تو نے
دین و دُنیا سے کھو دیا تو نے
چشمِ تر دل نے تو مٹایا تھا
اور ڈبویا رہا سہا تو نے
اے صبا چوم لوں لبوں کو ترے
نام کِس گل کا لے دیا تو نے

میں نے جب آپ کو مِٹا ڈالا
پردۂ رُخ ہٹا دیا تو نے
تیرے قربان میرے دردِ جگر
جب میں سویا جگا دیا تو نے
میں نے کچھ بھی زبان سے نہ کہا
پھر بھی سب کچھ سمجھ لیا تو نے

بُرق سی کوند کر گری دل پر
جب ذرا مُسکرا دیا تو نے
اے قضا پھر کوئی خلش نہ رہی
جب تھپک کر سُلا دیا تو نے
کوئے جاناں کی جستجو میں رؤفؔ
آپ ہی کو نہ کھو دیا تو نے

دل محوِ خیالِ رُخِ جانانہ ہوا ہے
اِک شمعِ شب افروز کا پروانہ ہوا ہے

جس دن سے تم اے جانِ جہاں جلوہ فگن ہو
یہ دِل بھی اُسی دن سے پری خانہ ہوا ہے

تم ہی تو ہو رونق مرے کاشانۂ دل کی
تم ہی سے تو آباد یہ ویرانہ ہوا ہے

یہ مہر مرے ماہ کے آتا ہے مقابل
بے عقل ہے مجنون ہے دیوانہ ہوا ہے

جس شان کا جس آن کا ہے وہ مَہِ خوبی
ایسا کوئی محبوب نہ ہوگا نہ ہوا ہے

اُس دن سے کسی کو بھی نظر میں نہیں لاتا
جس دن سے ذوقؔ آپ کا دیوانہ ہوا ہے

اسے آنکھوں میں رکھو یا نکالو اپنی محفل سے
ہمیں کیا فکر دل کی ہاتھ ہم تو دھو چکے دل سے
مرے دِل میں گذرتے ہیں جو خطرے کہہ نہیں سکتا
ہٹا دیں آپ اس وقت آئینہ اپنے مقابل سے

مثالِ شمع جلنا چپکے چپکے جان دے دینا
ہماری عُمر کی کشتی تو یوں لگتی ہے ساحل سے
اُنھیں روکوں تو گویا اک قیامت ہو ابھی برپا
اگر اے آرزو رخصت کروں اُنکو تو کس دل سے

نہ چھیڑ اُن کو عبث بیتابئ دل رحم کر مجھ پر
اگر وہ رُوٹھ جاتے ہیں تو پھر منتے ہیں مشکل سے
تجھے اے جانِ محفل ڈھونڈتی ہی رہ گئیں آنکھیں
بیں ناکامِ تمنا اُٹھ رہا ہوں تیری محفل سے

یہ حالِ زار ہے میرا نہ مرتا ہوں نہ جیتا ہوں
اُدھر مجبور ہوں تم سے اِدھر مجبور ہوں دل سے

نہ کوئی آرزو میری نہ کوئی مدّعا میرا
اُنھیں کی حسرتیں لپٹی ہیں میرے دامنِ دِل سے

اگر کچھ ہو تو لو یہ سامنے آئینہ رکھا ہے
کہ چوٹیں خوب ہوتی ہیں مقابل کی مقابل سے

سنبھل کر راہِ اُلفت میں رؤفؔ اپنی قدم رکھنا
بس اِک لغزش میں کوسوں دُور ہو جاتے ہیں منزل سے

اِک ایسا جام پلا مجھ کو جو ناقص کو کامل کر دے
اے ساقی میں تیرے صدقے میرے دل کو بھی دل کر دے

مشہور ہے تیری جود و سخا دے صدقہ اپنے مستوں کا
میں منہ نہ تکوں اِس کا اُس کا مجھ کو بھی کسی قابل کر دے

اِک حالت ہو ایسی طاری جو ہوش بھی ہو بیہوشی بھی
تیری تو رہے پل پل کی خبر باقی سب سے غافل کر دے

آنکھوں میں دم آ کر اٹکا ہے، بیمار اُدھر میں لٹکا ہے
دَم بھر کے لئے آ بالیں پر آسان مِری مشکل کر دے

تیرا جس وقت قدم آئے ہر شے میں جان سی پڑ جائے
اُٹھ جائے اگر تو محفل سے سونی ساری محفل کر دے

الفت کا بوجھ اٹھا تو لیا دل کو یہ روگ لگا تو لیا
اب تو کر دے جیسا چاہے آساں کر دے مشکل کر دے

ملنے کی کوئی بتا صورت اے جانِ ذوق دِکھا صورت
مجھ کو اپنا پروانہ بنا خود کو شمع محفل کر دے

دِل چیز ہی کیا جلوۂ رُخسار کے بدلے
ہے جان بھی حاضر ترے دیدار کے بدلے
عشّاق سے پوچھے کوئی دردِ غمِ اُلفت
چھوڑا چمنِ عیش کو اِس خار کے بدلے
جنّت کو کروں کوچۂ دلبر پہ تصدّق
طوبیٰ کو نہ لوں سایۂ دیوار کے بدلے
بازارِ محبت کے خریدار سے پوچھو
کونین بھی کم ہیں نگہہ یار کے بدلے
اِس چرخِ ستم گر کی خبر حشر میں لیں گے
لینے ہیں رؤفِ جگر افگار کے بدلے

بحرِ غمِ اُلفت میں یہ حال ہمارا ہے ٹوٹی ہوئی کشتی ہے اور دور کنارا ہے
للہ ترس کھا کر امداد کو آجاؤ کچھ سوچ کے بیکس نے اس وقت پکارا ہے
کس سے کہوں افسانہ اپنا ہے نہ بیگانہ اب تو مجھے لے دے کر تیرا ہی سہارا ہے
رونے کی حکایت کیا ہجراں کی شکایت کیا جس حال سے تم خوش ہو وہ حال گوارا ہے
بندِ غمِ عصیاں سے اے ہم کاش چھڑا دیتے وہ کام ہمارا تھا یہ کام تمہارا ہے
تم نے تو خبر لی ہے اس طرح غریبونکی اس وقت ہی آئے ہو جس وقت پکارا ہے
تم اپنی محبّت کے بیمار کو دیکھو تو جینے کی نہ طاقت ہے مرنے کا نہ یارا ہے
کچھ سُن نہیں سکتے تم جو ہم پہ گزرتی ہے کچھ کہہ نہیں سکتے ہم جو حال ہمارا ہے
اے جانِ جہاں میں کیا اور میری مصیبت کیا تم نے تو زمانے کی بگڑی کو سنوارا ہے

دیوانہ رؤفؔ اول دیوانہ رؤفؔ آخر
سرکار تمہارا تھا سرکار تمہارا ہے

آنکھوں کا جو تمھاری بیمار ہو گیا ہے
دُور اُس کا دم میں سارا آزار ہو گیا ہے
جس سمت چل دیئے ہو مہکا دیئے ہیں رستے
جس دشت میں گئے ہو گلزار ہو گیا ہے
جس پر نِگاہ کی ہے رنگیں ادا سے تم نے
دم بھر میں رشکِ گلشن وہ خار ہو گیا ہے
پہلے تو جو خلش تھی دل میں وہ تھی ہی لیکن
تیرِ نظر جگر کے اب پار ہو گیا ہے
اے جانِ ناز آ جا صورت ذرا دکھا جا
فرقت میں تیری جینا دشوار ہو گیا ہے
اِک ہم ہیں جو ابھی تک حسرت میں مر رہے ہیں
اِک وہ ہیں جن کو اُن کا دیدار ہو گیا ہے
کرتا ہے جان اپنی تم پر ذوقؔ صدقے
سُنتے ہیں اب وہ کافر دیندار ہو گیا ہے

بنے تیرِ جفا کے ہم نشانے
ثمر اچھا دیا نخلِ وفا نے
کہوں کس سے شبِ غم کی کہانی
مرے سوزِ جگر کو کون جانے
غبارِ راہِ اُلفت ہوں الٰہی
مری مٹی بھی لگ جائے ٹھکانے

گِلہ اُن سے دلِ ناداں عبث ہے
تری قسمت میں ہیں اُن کے بہانے
وہ تکتے رہ گئے حسرت سے مُنہ کو
نہ کھولے لب دلِ بے مدعا نے
کہاں دام اور کہاں ہیں ہم صفیرو
دیا دھوکا تمہارے نقشِ پا نے
تمنا ہے کہ جب یہ جان نِکلے
کھڑے ہوں آپ بھی میرے سرہانے

ترے قربان اے دردِ محبت
بڑے دلچسپ ہیں تیرے فسانے
وہ میری روشنی میں اُنکا جلوہ
حقیقت ہے کوئی مانے نہ مانے
ہماری کوششیں بیکار ہیں سب
وہی ہوگا جو چاہا ہے خدا نے
ہیں اس صورت سے وہ محفل کے اندر
کوئی جانے اُنہیں کوئی نہ جانے
بھلا کب تک کوئی ناکامِ حسرت
تری راہِ طلب کی خاک چھانے
وہ اب تو اور بھی بگڑے ہوئے ہیں
نہ جانے کیا کہا بادِ صبا نے
کسی کو ناز نے بسمل کیا ہے
کسی کو مار ڈالا ہے ادا نے
ہزاروں دل ہوئے پامالِ شوخی
ہزاروں کو کیا غارت حیا نے
جہاں میں حشر برپا کر رکھا ہے
رؤفؔ اُن کی نگاہِ فتنہ زا نے

رکھتا نہیں امیدِ وفا اور کسی سے
مطلب نہیں کچھ تیرے سوا اور کسی سے

یہ سوچ کے سر کو تری چوکھٹ پہ رکھا ہے
مِٹنا نہیں قسمت کا لِکھا اور کسی سے

تو نے ہی بنائی ہے ہمیشہ مری بگڑی
یہ کام نہ ہوگا، نہ ہوا اور کسی سے

کیا تجھ کو گوارا ہے کہ مانگوں ترے ہوتے
دردِ دل مضطر کی دوا اور کسی سے

شرم آتی ہے کرتے ہوئے در در کی گدائی
طالب نہیں ہوتا بخدا اور کسی سے

ہر حال میں تیری ہی طرف رُوئے سخن ہے
کرتا نہیں میں تیرا گِلا اور کسی سے

دُنیا میں رؤفؔ جگر افگار کا تو ہے
واقف نہیں تیرے سوا اور کسی سے

نہ مہر سے نہ کسی کی عطا سے مِلتا ہے
جو مدّعا دلِ بے مدّعا سے مِلتا ہے

کشودِ کار یہاں خود بخود نہیں ہوتا
نشانِ راہ کسی رہ نما سے مِلتا ہے

سکونِ قلب ہے سرمایۂ حیاتِ بشر
مگر یہ صرف کسی باخدا سے مِلتا ہے

نہیں ہے سہل کسی باخدا کا مِلنا بھی
سُراغ اُس کا بھی بختِ رسا سے مِلتا ہے

سبق یہی دیئے جاتے ہیں جاننے والے
جو چھوڑتا ہے خودی کو خدا سے مِلتا ہے

کہیں وہی تو نہیں مبتلائے دردِ فراق
یہ نالہ کچھ مِرے دل کی صدا سے مِلتا ہے

بشر کے وہم و گماں میں جو آ نہیں سکتا
شرف وہ خدمتِ خلق خدا سے مِلتا ہے
کہیں تو نام بھی لیتا نہیں وہ ملنے کا
کہیں وہ شوخ بڑی التجا سے مِلتا ہے
ملا کے خاک میں ارماں ملنے والوں کے
بڑے کرشمہ و ناز و ادا سے مِلتا ہے
رؤفؔ کی تو طبیعت سے آپ واقف ہیں
کہاں وہ رِند کسی پارسا سے ملتا ہے

یہ آفتاب جو بالائے بام آتا ہے
لئے ہوئے مئے عرفاں کا جام آتا ہے
مَیں جس حسین کو حق بیں نظر سے دیکھتا ہوں
مجھے نظر وہی محشر خرام آتا ہے
وصالِ یار کی صورت نظر نہیں آتی
خیال یار تو ہر صبح شام آتا ہے
تم ایسے بھول گئے ہو کہ اب تو مدت سے
کوئی سلام نہ کوئی پیام آتا ہے
نہ میں کبھی کسی مفتی سے بحث کرتا ہوں
نہ میرے سر میں یہ سودائے خام آتا ہے

جو لے اُڑا دلِ ناداں کو باتوں باتوں میں
مجھے تو یاد وہ شیریں کلام آتا ہے
قدم جو رکھتا ہے سالک رہِ محبت میں
تو سب سے پہلے فنا کا مقام آتا ہے
جو دیکھتا ہے تماشا ترا وہ دوست نہیں
ہے دوست وُہ جو مُصیبت میں کام آتا ہے
کبھی کِسی کی شکایت کبھی کِسی کا گلہ
تجھے تو صِرف یہی ایک کام آتا ہے
رؤفؔ فرقِ مراتب نگاہ میں رکھنا
کِسی کے بعد کسی کا مقام آتا ہے

وہ ہے آزاد بالکل جو اسیرِ دامِ الفت ہے
وہ ہے ہُشیار جو مستِ مئے جامِ محبت ہے
رضائے حق کا جویا ہے بہر صورت بہر حالت
نظر میں طالبِ حق کی نہ دوزخ ہے نہ جنت ہے
نظر مرکز سے ہٹتی ہے یہ کیا توحید ہے تیری
کبھی اس کی شکایت ہے کبھی اُسکی شکایت ہے
فرشتے خلد میں کرتے تھے میری ناز برداری
یہاں میں ٹھوکریں اب کھا رہا ہوں میری قسمت ہے
زمین و آسماں کا فرق ہے زاہد میں اور مجھ میں
اُسے جینے کا ارماں ہے مجھے مرنے کی حسرت ہے

مرے نزدیک تو شیخ و برہمن ایک ہیں دونوں
نہ اُس سے کچھ خصومت ہے نہ اِس سے کچھ عداوت ہے
مری آنکھوں سے وحدت اور کثرت کا تماشا کر
اِسی کثرت میں وحدت ہے اِسی وحدت میں کثرت ہے
ھُوالاول ھُوالآخر ھُوالظاہر ھُوالباطِن
جہاں جو ہو رہا ہے سب مشیّت ہی مشیّت ہے
وہ شاہوں کا بھی داتا ہے فقیروں کا بھی مولا ہے
نہیں معلوم کس انداز کی اُس کی سخاوت ہے
رؤفؔ زار کی بابت کوئی پوچھے تو کہہ دینا
رؤفؔ اک رندِ آوارہ رؤفؔ اک ننگِ ملت ہے

آنکھوں سے تو اوجھل ہے رگِ جاں سے قریں ہے
حیراں ہوں کہ وہ دور ہے اور دور نہیں ہے
کعبے میں نہیں ہے وہ کلیسہ میں نہیں ہے
لیکن یہ مسلّم ہے کہ وہ شوخ کہیں ہے

یہ نفس نہیں اُمّتِ شیطانِ لعیں ہے
ہر وقت مِری تاک میں یہ دشمنِ دیں ہے
مجھ سے یہ کسی وقت بھی غافل نہیں ہوتا
موجود جہاں میں ہوں یہ مردود وہیں ہے
ہر دُکھ کی دوا کرتے ہو دنیا میں طبیبو
بیمارِ محبّت کا مداوا بھی کہیں ہے

مل جائیں کہیں حضرتِ منصور تو پوچھوں
کیوں کہتے ہو وہ بات جو کہنے کی نہیں ہے
آوارۂ اُلفت کے شب و روز نہ پوچھو
ظاہر میں کہیں رہتا ہے باطن میں کہیں ہے
یہ دیکھ کے بھی کچھ تجھے عبرت نہیں ہوتی
زندہ تھا جو کل آج وہ پیوندِ زمیں ہے
میرا تو یہ ایماں ہے کہ سرکار میں اُس کی
ہے دیر تو ممکن مگر اندھیر نہیں ہے
مرتا ہوا فرقت میں جہاں چھوڑ گئے ہو
اے جانِ تمنّا یہ رؤفؔ اب بھی وہیں ہے

جو اپنی ذات سے واقف کوئی بشر ہو جائے
وہ حق شناس وہ حق بیں وہ حق نگر ہو جائے
فلک کو صرف یہی ایک فکر رہتی ہے
کہ میرا نخلِ تمنا نہ بارور ہو جائے
کوئی عِلاج اگر کارگر نہیں ہوتا
تو زندگی کا فسانہ ہی مختصر ہو جائے
ہے سازگار فضا آج تو زمانے کی
نہ جانے کل کی ہواؤں کا رُخ کِدھر ہو جائے
کِسی طرح تو میرے دل کو ہو قرار نصیب
الٰہی کوئی تو تدبیر کارگر ہو جائے
تغیراتِ زمانہ سے کچھ بعید نہیں
جو آج عیب ہے ممکن ہے کل ہنر ہو جائے
شبِ فراق کے تارے گنے نہیں جاتے
الٰہی آج سرِ شام ہی سحر ہو جائے
رؤفؔ ڈر ہے یہی تیری سادہ لوحی سے
نہ راستے ہیں کہیں تو اِدھر اُدھر ہو جائے

مُخمّسات

مخمسہ برغزل حضرت بوعلی شاہ قلندر پانی پتی رح

میں ہی چاہوں تجھے اے رُوحِ روانِ عالم   اور کوئی نہ ہو اس راز کا تیرے محرم
بدگمانی کا یہ عالم ہے ترے سر کی قسم   غیرت از چشم برم رُوئے تو دیدن ندہم
گوش را نیز حدیثِ تو شنیدن ندہم
غیر رکھے نہ ترے کوچۂ الفت میں قدم   کیوں اُٹھائے کوئی نااہل ترے ہجر کا غم
مجھ کو یہ بات گوارا ہی نہیں تیری قسم   لذّتِ دردِ تو بیدرد چشیدن ندہم
ناوکِ عشقِ تو با غیر رسیدن ندہم
مَیں نے ڈالا ہے گلے میں تری الفت کا وہ طوق   جو بتاتا ہے کہ رکھتا ہوں ترے درد کا ذوق
کون ہے مجھ سے جو لیجائے ترے عشق میں فوق   گر شبے دست دہد وصلِ تو از غایتِ شوق
تا قیامت نشود صبح دمیدن ندہم
ناز و انداز ترے سارے زمانے کو پسند   اچھے اچھوں کی زبانیں ہیں ترے وصف میں بند
مجھ سے پوچھے کوئی کیا ہے تری زلفوں کی کمند   ہدیۂ زلفِ تو گر ملکِ دو عالم بدہند
یعلم اللہ سرِ مُوئے خریدن ندہم
چونکہ ہے فیض ترے عشق کا فیضِ سرمد   ولولہ تیری محبّت کا ہے دل میں بیحد
تجھ پہ مرتا ہے رؤفؔ اس قدر اے رعنا قد   گر بیاید ملک الموت کہ جانم بہ برد
تا نہ بینم رُخِ تو رُوح رمیدن ندہم

خمسہ بر غزل حضرت امیر خسرو علیہ الرحمۃ

کیا پوچھتے ہو مجھ سے تھا کیا اک طرف کیا اک طرف   جاں مضطرب تھی اک طرف دل لوٹتا تھا اک طرف
خونِ جگر تھا اک طرف خونِ تمنا اک طرف   دی شب کہ میرفتی بتارُو کردہ ازما یک طرف
افگندہ کاکل یک طرف زلفِ چلیپا یک طرف

دیکھا کہ سب خورد و کلاں ہیں ایک جانب کو رواں   میں نے کہا اُن سے کہ ہے کیا بات جاتے ہو کہاں
بولے کہ اُٹھ اے بیخبر بیٹھا ہوا ہے تو یہاں   سلطانِ خوباں میرود ہر سُو ہجوم عاشقاں
چابک سواراں یک طرف، مسکیں گدا ہا یک طرف

مرتا ہوں میں تجھ پر صنم ہوتا ہوں میں تجھ پر فدا   یہ سر تری چوکھٹ سے ہو سکتا نہیں ہر گز جدا
مجھ کو اگر اے دلربا آجائے پیغامِ قضا   در چار سوئے کوئے خود افتادہ بینی بندہ را
تن یک طرف جاں یک طرف سر یک طرف پا یک طرف

گل کی پڑی تجھ پر نظر ٹکڑے ہوا فوراً جگر   شبنم نے دیکھا تھا کہیں روتے ہی گذری عمر بھر
کس قسم کا جادو کیا تو نے بتا اے عشوہ گر   چوں بر رُخِ زیبائے تو افتادہ زاہد را نظر
تسبیح زہد شُد یک طرف معبد مصلّے یک طرف

ہر وقت وہ اپنے غرورِ حسن میں رہتا ہے مست   اسکی خودی کے سامنے ہیں حوصلے عالم کے پست
وہ فتنہ گر ہے اے رؤف اسد جہ خود سر خود پرست   بیچارہ خسرو خستہ را خوں ریختن فرمودہ است
خلقے بمنت یک طرف آں شوخ تنہا یک طرف

خمسہ بر غزل مرزا قتیل رحمۃ اللہ علیہ

ناشاد زمانے سے اُٹھا ترا شیدائی   تجھ کو بھی خبر ہے کچھ او محوِ خود آرائی
آ تو بھی تماشا کر خلوت سے تماشائی   کُن بر سرِ تابوتم یک جلوہ بہ رعنائی
اے دَر لبِ لعلِ تو اعجازِ مسیحائی

سر نذر کیا تیری چوکھٹ پہ شہِ خوباں   سروِ قدِ رعنا پر قربان ہیں جسم و جاں
اُس مصحفِ عارض پر صدقے ہے مرا ایماں   دیگر چہ طمع داری از عاشقِ بے ساماں
عقل و دل و دیں بُردی ہم تاب و توانائی

راحت ہو مصیبت ہو رُسوائی ہو کچھ بھی ہو   تو ہم کو نہ بھولے گا سوچا تھا یہ ہم نے تو
لیکن تری خُو نے جب مجبور کیا ہم کو   کر نیم زخونِ خود آرائشِ کُوئے تو
داری خبرے یا نہ اے محوِ خود آرائی

دنیا میں کہاں ہے اب رسم و رہِ دلداری   آتی ہے نظر ہر سُو عیّاری و غدّاری
اے جانِ رؤف آخر کب تک یہ دل آزاری   غیر از تو امیرے نے پیشِ کہ کند زاری
بیچارہ قتیلِ تو اے کافرِ ترسائی

تضمین بر مطلع حضرت مُنیر رحمۃ اللہ علیہ

کوئی یہ کہتا ہے کہ ہے کعبہ میں وہ رشکِ قمر   کوئی بتاتا ہے کہ ہے وہ بتکدے میں جلوہ گر
کِس کِس جگہ جاتا ہے مجھ کو چھوڑ کر وہ فتنہ گر   من جاں بلب در کنجِ غم او مجلس آرائے دگر
من خونِ دل اینجا خورم او مے کشد جائے دگر

رہتی ہے جس کے ہجر میں ہر وقت میری چشم تر   افسوس رُخ کرتا نہیں میری طرف وہ بھولکر
میری عجب ناگفتنی حالت ہے اے بادِ سحر   من جاں بلب در کنجِ غم او مجلس آرائے دگر
من خونِ دل اینجا خورم او مے کشد جائے دگر

پہلے تو گھائل کر گیا اُس شوخ کا تیرِ نظر   پھر دستِ وحشت نے مرے لی جیب و دامن کی خبر
مارا ہے اس غیرت نے مجھ کو اور بھی اے چارہ گر   من جاں بلب در کنجِ غم او مجلس آرائے دگر
من خونِ دل اینجا خورم او مے کشد جائے دگر

دیتا ہے عالم کو دوائے دردِ دل وہ چارہ گر   گویا ہر اک کے واسطے ہے مرہمِ زخمِ جگر
لیکن رؤفِ زار کی اپنے نہیں لیتا خبر   من جاں بلب در کنجِ غم او مجلس آرائے دگر
من خونِ دل اینجا خورم او مے کشد جائے دگر

خمسہ بر غزل حضرت منیر رحمۃ اللہ علیہ

اِک بار ایسا ہو کہ مل جائے کہیں وہ شمع رُو　　مَیں سامنے اُسکے مِرے آگے ہو وہ حُسنِ نِکو
اے کاش بر آئے اگر دل کی مِرے یہ آرزو　　باشد عجب ہنگامۂ در جلوہ گاہِ حُسنِ او

من در تماشائے دلم دل در تماشائے دِگر

کیا جانے مجھ پر کر گیا کیا سحر وہ رشکِ چمن　　کوئی گھڑی آرام کی پاتا نہیں یہ خستہ تن
دن کو تو لوٹنا پیٹنا یا چاک کرنا پیرہن　　شب تا سحر در کوئے او گردیدن و باز آمدن

بر لب حدیثِ دردِ دل، در دل تمنائے دِگر

مجھ سے تو آسکتا نہیں اب راہ پر وہ دل رُبا!　　ہاں ایک صورت سے بر آسکتا ہے دل کا مدّعا
اُس فِتنہ گر کے پاس اگر جائے دعا باصفا　　شاید منیرؔ آں بے وفا گردد بالفت آشنا

ہر روز تدبیرے کنم ہر شب زنم رائے دِگر

خمسہ بر غزل حضرت حافظ شیرازی رح

مدتوں صحرائے وحشت میں پھرا　　مدّتوں قیدِ مصیبت میں رہا
کیا سُناؤں دردِ دل کا ماجرا　　ساقیا برخیز در دہ جام را
خاک بر سر کن غمِ ایام را

مے کشوں پر بھی نگاہِ لطف ہاں   تیرے صدقے ساقیٔ ابرو کماں
چل پڑے دورِ شرابِ ارغواں   گرچہ بدنامی ست نزدِ عاقلاں
ما نمی خواہیم ننگ و نام را

دیکھ لیتا ہوں جب اُس کی چشمِ مست   یاد آجاتی ہے صہبائے اَلست
گو زمانہ مجھ کو کہہ دے بُت پرست   بادِ لا آرامے مرا خاطر خوش است
کز دلم یک بار بُرد آرام را

دیکھ کر اُس قدِّ زیبا کی پھبن   ہیں پشیماں سب حسینانِ زمن
یہ غضب ڈھاتا ہے اُس کا بانکپن   ننگرد دیگر بسرو اندر چمن
ہر کہ دید آں سروِ سیم اندام را

حاسے اب بڑھنے لگے رنج و محن   ہر گھڑی ہے تاک میں چرخِ کہن
حال اپنا کیا کہے یہ خستہ تن   محرمِ رازِ دلِ شیدائے من
کس نمی بینم ز خاص و عام را

جان کر اُلفت کے راہ و رسم سب   شکوۂ جاناں ذوق ایسا غضب
دیکھ کیا کہتا ہے کوئی حق طلب   صبر کن حافظ بہ سختی روز و شب
عاقبت روزے بیابی کام را

خمسہ بر غزل حضرت سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ

میں نے تو اپنی جان تک رُخ پہ ترے قربان کی   لیکن کیا تو نے نہ مجھ کو یاد بھولے سے کبھی
مجھ خستہ جاں سے کونسی ایسی خطا سرزد ہوئی   اے ماہِ عالم سوزِ من از من چرا رنجیدہ
اے شمعِ شب افروزِ من از من چرا رنجیدہ

ہرگز نہ منہ پھیریں گے وہ مرتے ہیں تیرے رُخ پہ جو   جسطرح چاہے آزما لے، کشتگانِ ناز کو
مِٹنا ہے تیری راہ میں انجام چاہے کچھ بھی ہو   اے کعبۂ من کوئے تو وے قبلۂ من روئے تو
صد ہمچو من ہندوئے تو از من چرا رنجیدہ

خارِ محبت کی خلش ہرگز ہوئی دل میں کم   صدموں نے فرقت کے تری لینے دیا مجھ کو دم
دِل بستۂ زنجیرِ غم تن خستۂ تیغِ الم   بنگر ز ہجرت چوں شدم سرگشتہ و مجنوں شدم
چوں لعل دل پُر خوں شدم از من چرا رنجیدہ

نظروں سے میری گر گیا دُنیا کا سب جاہ و حشم   ہے اب تو تیرے آستانے پر سرِ تسلیم خم
تیری جفائیں بھی ہیں میرے واسطے عینِ کرم   من عاشقِ دیوانہ ام اندر جہاں افسانہ ام
تو شمعِ من پروانہ ام از من چرا رنجیدہ

پاتے ہیں فیض اس آستانے سے ہزاروں مدح گو   اے جانِ عالم اس ظفر کو بھی نگاہ لطف ہو
سودا ہے تیری زلفِ پیچاں کا دُوقِ زار کو   سعدی سگِ درگاہِ تو افتادہ اندر راہِ تو
من یارِ نیکو خواہِ تو از من چرا رنجیدہ

خمسہ بر غزلِ خود

اشکِ غم تھمنے نہیں پاتے کہ دل گھبرائے ہے   دل کی گھبراہٹ نہیں جاتی کہ غش سا آئے ہے،
کچھ عجب منظر محبت آپ کی دکھلائے ہے   اک بلا جانے سے پہلے دوسری آجائے ہے
آسماں ظالم قیامت پر قیامت ڈھائے ہے

اک طرف جانِ حزیں پر کوہِ غم کا ٹوٹنا   اِک طرف جورِ فلک سے سر پہ اک تازہ بلا
اک طرف لب پر صدا واحسرتا واحسرتا   اک طرف اشکوں کا دریا آنکھ سے بہتا ہوا
اِک طرف بیتاب دل پہلو سے نکلا جائے ہے

یا تو تھا بالکل ہی اِک بیگانۂ رنج و ملال   یا ابھی دیکھو تو چہرہ غم سے ہے بالکل نڈھال
یک بیک اللہ جانے کِس کا آتا ہے خیال   دم میں ہو جاتا ہے یہ وارفتۂ اُلفت کا حال
آہ ہے فریاد ہے نالہ ہے ہائے ہائے ہے

بیقراری آہ و زاری، بندگی بیچارگی   ہائے کیسی زندگی ہے عاشقوں کی زندگی
کوئی کیا جانے کہ ہے کیا چیز اُلفت کی لگی   کیسی بے چینی ہوا کرتی ہے دردِ ہجر کی
بس وہی جانے ہے جو یہ چوٹ دل پر کھائے ہے،

مجھ سے دل کہتا ہے ظالم اپنی حالت کو سنبھال   میں یہ کہتا ہوں کہ قسمت کا بدلنا ہے محال
ہو رہی ہے یونہی دونوں میں برابر قیل و قال   دل کو میرا پاسِ عزت مجھ کو دل کا ہے خیال
میں اسے سمجھا رہا ہوں یہ مجھے سمجھائے ہے

مخمسہ بر غزل حضرت سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ

[illegible] کی   لیکن کیا تو نے نہ مجھ کو یاد بھولے کبھی
[illegible] کونسی ایسی خطا سرزد ہوئی   اے ماہ عالم سوزِ من از من چرا رنجیدہ
اے شمع شب افروزِ من از من چرا رنجیدہ

[illegible] پہ جو   جس طرح چاہے آزمائے کشتگانِ ناز کو
[illegible]   اے کعبۂ من کوئے تو اے قبلۂ من روئے تو
[illegible] تو از من چرا رنجیدہ

[illegible]   صدمے [illegible] فرقت کے تری [illegible]
[illegible]   [illegible] ہجرت چوں شدم سرگشتہ و مجنوں شدم
[illegible] از من چرا رنجیدہ

[illegible]   ہے اب تو تیرے آستانے پر سر تسلیم خم
[illegible]   [illegible] غم جہاں [illegible]
[illegible] رنجیدہ

[illegible]   [illegible]
[illegible]   [illegible]
[illegible] رنجیدہ

ایک دن اِک سالکِ راہِ محبت مل گیا   مذہبِ اُلفت کا اس سے آگیا کچھ تذکرا
اشک آنکھوں میں بھر آئے اور یوں کہنے لگا   ہائے کافر عشق کی مجبوریاں کعبہ تو کیا
بتکدے جاتا ہوں جب یہ بت کدے لیجائے ہے

ہے بہت دشوار رکھنا صبر کی سینہ پہ سِل   میں تو کہتا تھا کہ اُس غارتگرِ دیں سے نہ مِل
کام کیا چلتا ہے اب ہونے سے تیرے منفعل   جان سے دھونا پڑیں گے ہاتھ او نادان دل
ناوکِ اُلفت کہیں ایسے ہی نکلا جائے ہے

خوں نہیں ہوتا جگر یا اشکِ غم بہتے نہیں   کونسی ایسی مصیبت ہے جو ہم سہتے نہیں
جان دیدیتے ہیں لیکن دردِ دل کہتے نہیں   اے رؤف اُن سے یہ کہنا غم سہا رہتے نہیں
سب گزر جاتے ہیں بس اک بات ہی رہ جائے ہے

خمسہ بر غزل حضرت فخرالدین عراقی رح

نہوا نصیب حج ہی نہ زکوٰۃ یاد آئی   نہ کیا پسند روزہ نہ نماز مجھ کو بھائی
مِری التجا کو سُن لے تری شان کبریائی   صنمارہِ قلندر سزدار بمن نمائی
کہ دراز و دور دیدم رہ و رسم پارسائی

جو ہیں تجھ پہ مٹنے والے یہ سنی ہے اُنکی حالت   کہ وہ تجھ سے ملتجی ہیں بصد آرزو و حسرت
نہو غیر کو میسر ترے در سے کوئی نسبت   نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاکِ تیغت
سرِ دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

اسے اختیار ہے سب وہ کرے قبول یا ردّ   وہ عمل کئے ہیں میں نے کہ ہوں شرمسار بیحد
میں جو تم سے کہہ رہا ہوں نہ یقیں کرو گے شاید   بزمیں چو سجدہ کردم ز زمیں ندا برآمد
کہ مرا خراب کردی تو بسجدۂ ریائی

جنھیں زہد کا ہے دعوےٰ ہے یہ حال انکا ہمدم   نہیں خیر اُن میں مطلق وہ ہیں شر ہی شر مجسّم
ہیں زبان و دل کے یکساں یہ جواریوں کا عالم   بقمار خانہ رفتم ہمہ پاکباز دیدم
چو بصومعہ رسیدم ہمہ یافتم دغائی

نہ نصیب میں تھا میرے نہ ہوا کبھی میں خرسند   میں تمام عمر اپنی رہا اس کا آرزومند
مرے دل نے بس یہ سمجھا در توبہ ہو گیا بند   بطوافِ کعبہ رفتم بحرم رہم ندادند
کہ بروں در چہ کردی کہ درونِ خانہ آئی

مرے بختِ نارسا کے ہیں یہ اہتمام سارے   کہ ہر آن چل رہے ہیں مرے دل پہ غم کے آرے
ترا ہجر ہے کہ دن میں نظر آ رہے ہیں تارے   ہمہ شب دریں خیالم کہ رسم بوصلِ یارے
ہمہ روز در امیدم کہ شبے بخواب آئی

مرا ربط بتکدے سے مری بتکدے میں آمد   میں رؤف جانتا ہوں ہے بُری سی بات شاید
مگر ان بتوں کی شفقت کی تو ہو رہی ہے یہ حد   درِ دیر کوفتم من ز درون ندا برآمد
تو بیا بیا عراقی کہ ز خاصگانِ مائی

تضمین

ہر طرز انوکھی تری ہر شان نرالی　　اور تو نے سنا بھی نہیں ما اعظم شانی
ہر چیز کو پرکھا مگر اپنی نہ خبر لی　　خود را نہ پرستیدہ عرفاں چہ شناسی
کافر نہ شدی لذتِ ایماں چہ شناسی

کوچہ میں محبت کے قدم ہی نہیں رکھا　　بھولے سے کبھی اُس گل کی نہ کی تو نے تمنا
افسوس سمجھ میں تری اتنا بھی نہ آیا　　امروز نہ دیدی اگر آں روئے صنم را
فردا القیامت رخِ جاناں چہ شناسی

ظاہر کے مشاغل سے ذوق آہ کسی دن　　اُکتا کے نہ لوٹا سوئے میخانۂ باطن
حاصل نہ کئے تو نے تصوف کے خزائن　　عابد شدی زاہد شدی واعظ شدی لیکن
صوفی نہ شدی مشرب رنداں چہ شناسی

تضمین بر غزل حضرت احمد جام صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کی نہ ہم نے کوئی نیکی نام کو   کچھ نہیں معلوم کیا انجام ہو
عاصیو چل کر یہی ان سے کہو   مفلسانیم آمدہ در کوئے تو
شیئاً للہ از جمال روئے تو

ہیں ترے محتاج سب شاہ و گدا   دینے والا کون ہے تیرے سوا
سُننے والے سب فقیروں کی صدا   دست بکشا جانب زنبیلِ ما
آفریں بر دست و بر بازوئے تو

جان پُر غم چشم پُر نم دل فِگار   کیا سناؤں تجھ کو اپنا حالِ زار
لے خبر اے بے قراروں کے قرار   چوں گدایاں بر درت امیدوار
بُو کہ آید در مشامم بوئے تو

عرض کرنا اُن سے اے بادِ صبا   مفلسی کی ہو چکی ہے انتہا
ہم تہیدستانِ قسمت ہیں شہا   دست بکشا جانب زنبیلِ ما
آفریں بر دست و بر بازوئے تو

کیا کہے تجھ سے رؤفِ زار اب   منکشف ہیں تجھ پہ دل کے راز سب
ہر گھڑی ہر آن ہے تیری طلب   بر درت افتادہ احمد روز و شب
تا دہد جان را بخاکِ کوئے تو

اَلْمَوْعِظَۃُ وَالنَّصِیْحَۃُ

کرو توبہ ڈرو حق سے یہ سمجھو کل قیامت ہے
جہاں اعضا گواہی دیں گے وہ ایسی عدالت ہے
نماز و روزہ و حج نیکیاں ہیں یہ حقیقت ہے
مگر ایسی ہی اک اللہ کے بندوں کی خدمت ہے
ورع ہے زہد و تقویٰ ہے ریاضت ہے عبادت ہے
ہیں سب بہتر مگر ان سب سے بہتر استقامت ہے
یہ دو باتیں بھی انساں کیلئے بیحد ضروری ہیں
بزرگوں کا ادب ہے اور خوردوں کو نصیحت ہے

زن و فرزند مال و جاہ سب انعام ہیں حق کے
مگر جانِ برادر جان ان سب کی قناعت ہے
زِنا کینہ حسد بغض و عداوت جھوٹ عیاری
مگر ان سب سے بدتر جو بُرائی ہے وہ غیبت ہے
بُرے کی ہو بُرائی اُس کی غَیبت میں وہ ہے غِیبت
اگر فرضی بُرائی ہے تو وہ بہتان و تہمت ہے
تمہیں صوفی سے کیا مطلب تمہیں مُلّا سے کیا لینا
کِسی کے نقشِ پا پر تم کو مِٹنے کی ضرورت ہے
ہے جب تک دم میں دم مخلوق کی خدمت کئے جاؤ
رؤف اللہ سے مِل جائے گا جو حقِ خدمت ہے

تاریخ گلبوئیٔ طبعِ گلرنگِ تخیّل

۱۴ ۶ ۱۹

گلریزیٔ میر افق کاظمی امروہوی

۱۴ ۶ ۱۹

"گلرنگِ تخیّل" ذوقِ خوش گو   رکھتا نہیں اپنے رنگ میں اپنا جواب
ہر مصرع پُر کیف ہے اِک نغمۂ عشق   ہر شعرِ دل آویز ہے اک تارِ رباب
اُس کے ہر جامِ شعر سے کیف اندوز   سب میکدۂ سخن کے رندانِ خراب
ہاں از پئے تشنگانِ ذوقِ باطن   دیوانِ ذوقؔ کا ہے اک جامِ شراب
حمد و نعت و تصوّف و عشق کہیں   کچھ رنگِ مجاز میں ہیں جذباتِ شباب
ہر سطر ہے اُس کی سلکِ دُرہائے ثمیں   ہر صفحۂ روشن اس کا مثلِ مہتاب
ہر شعر ہے اس کا آپ ہی اپنی مثال   ہر اِک غزل اس کی آپ ہی اپنا جواب
بایں ہمہ نیرنگیٔ افکارِ بلند   گلشن ہے یہ جو سادگی سے شاداب

یہ سادگی و صفائی و شیرینی　　یہ حُسنِ کلام اور یہ طرزِ خطاب
اس دَورِ ترقی و تکلف میں اُفق　　یہ رنگِ شعر و شاعری ہے کمیاب
موزوں الفاظ میں یہ دیوانِ رؤف　　گویا اِک واردات دل کی ہے کتاب
جو کچھ بھی کہا گیا وہ بالکل ہے درست　　جو کچھ بھی لکھا گیا ہے وہ عینِ صواب
دِلکش ہے کتابت و طباعت اس کی　　اوراق ہیں اس کے یا چمن کے ابواب
مغموم بہ رشک دیکھ کر ہیں اعدا　　مسرور بفخر اس کو پڑھ کر احباب
فضلِ سخن آفریں سے مقبول ہو یہ　　دنیائے سخن میں پھیل جائے بہ شتاب
اب ہجری و عیسوی میں تاریخ بھی ہو　　کب تک یہ اُفق کلام کی آب و تاب
”دیوانِ رؤفِ نغمہ زا“ کہہ کے لکھو　　”گلرنگِ تخیل ہے گلستانِ بآب“

۱۳۶۰ھ　　۱۹۴۱ع

مرغوب جمالی رقم امروہوی
۱۹—۶—۴۱

شکریہ

گلرنگِ تخیل کے دوسرے ایڈیشن کی کتابت اور طباعت کے سلسلہ میں سعیدِ ازل جناب حکیم حبیب الرحمٰن خاں صاحب سلمہٗ اور مخلصی جناب حافظ محمد یونس صاحب خوشنویس و پروپرائٹر مکتبہ حیاتِ اردو امروہہ و نیز محبی و مشفقی جناب منشی حافظ سید امین عاصم صاحب سلمہٗ کا تہ دل سے شکر گزار ہوں کہ گلرنگِ تخیل کو حسین و دل فریب، پرکشش اور جاذبِ نظر بنانے میں اپنی فن کاری اور دیرینہ تجربہ کاری کا ثبوت دیا اور خصوصی توجہات سے کام لیکر اس کی تزئین میں جدوجہد فرمائی۔

میں اس پر جس قدر بھی مسرت و خوشی کا اظہار کروں کم ہے۔ رب العزت ان سہ حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

دعاگو

عبدالرؤف

مُصنّف گلرنگِ تخیّل

کی

پہلی تصنیف

”لخلخہ محامد“ طبع ثانی

۵۸ ھ ۱۳

جسمیں

حمد، نعت شریف، مدح صحابہ کرام، مناقب اہل بیتِ عظام و اولیائے عالی مقام کی
ایسی دلکش و روح پرور غزلیں اور خمسے ہیں جن کو سنکر اور پڑھ کر اہلِ ذوق وجد میں آجاتے ہیں۔

صاحبدل حضرات

جلد از جلد اس متبرک دیوان کو حاصل کر کے جذبۂ عشق رسول اور اپنے جذبۂ روحانی
کو تازہ کریں۔ ورنہ تیسرے ایڈیشن کا انتظار کرنا پڑے گا۔ لکھائی چھپائی
دیدہ زیب، کاغذ سفید چکنا، سائز ۳۰ × ۲۰ / ۱۶، ان تمام
خوبیوں کے باوجود۔ قیمت: صرف چار روپے -/۴

خادم **احمد حسین** خلف مصنّف ممدوح محلہ سدّہ امروہہ یوپی

کتبہٗ مرغوب جمیل رقم امروہوی، جولائی ۱۹۷۰ء

۴۰ ۶ ۱۹